سیادتِ علم
از
ڈاکٹر محمد واسع ظفر
(استاذ و سابق صدر، شعبہ تعلیم، پٹنہ یونیورسٹی، پٹنہ)
Govt

"اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ"

(پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا)

سیادت علم

از

ڈاکٹر محمد واسع ظفر

(استاذ و سابق صدر، شعبہ تعلیم، پٹنہ یونیورسٹی، پٹنہ)

نام کتاب : **سیادت علم**

مصنف : ڈاکٹر محمد واسع ظفر

اہتمام و پیشکش : ظفر سلطان

اشاعت اول : جنوری 2019ء / جمادی الاولی ۱۴۴۰ھ

صفحات : 152

تعداد اشاعت : پانچ سو (500)

مطبع : صائمہ پبلی کیشن، احمد مارکیٹ، پٹنہ۔4

قیمت : -/150 روپے

ملنے کے پتے:

☆ بک امپوریم، سبزی باغ، پٹنہ ☆ آفتاب بک ڈپو، سبزی باغ، پٹنہ

☆ صائمہ پبلی کیشن، دریاپور، پٹنہ ☆ ناولٹی بکس، قلعہ گھاٹ، دربھنگہ

☆ یونیورسل بک ہاؤس، شمشاد مارکیٹ، علی گڑھ

☆ دفتر مدرسہ قاسمیہ، بنی آباد، مظفرپور (بہار)

Siyadat-e-'Ilm

(Collection of Essays)

By

Dr. Md. Wasay Zafar

Associate Professor & Ex. Head, Deptt. of Education,

Patna University, Patna

Email:mwzafar.pu@gmail.com

انتساب

والدہ مرحومہ

عزیز آرا خاتون عرف شہزادی بیگم

کے نام

جن کی

ابتدائی توجہات نے تحصیل علم کی راہ پر لگایا۔

علم از سامان حفظ زندگی است

علم از اسباب تقویم خودی است

علامہ اقبالؔ

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ ہ

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضامین	صفحات
۱۔	تقریظ	9
۲۔	مقدمہ	13
۳۔	پیش لفظ	16
۴۔	اسلام میں علم کی اہمیت	24
۵۔	علم دین کے حصول سے غفلت کیوں؟	36
۶۔	عصری تعلیم سے وابستہ افراد کے لئے علم دین کیوں ضروری ہے؟	47
۷۔	فضیلت علم: قرآن کریم کی روشنی میں	54
۸۔	قرآن حکیم کا سمجھ کر پڑھنا ہی مطلوب ہے	115
۹۔	قرآن کریم اور غور وفکر کے مناہج	126

☆☆☆☆☆

تقریظ

از : مفتی محمد نافع عارفی صاحب

نائب ناظم، معہد الولی الاسلامی، ہرسنگھ پور، دربھنگہ، بہار (انڈیا)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ٥

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ الۡکَرِیۡم، اَمَّا بَعۡدُ !

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر زندہ اٹھالئے جانے کے بعد ملاء اعلیٰ سے اس دھرتی اور یہاں آباد انسانوں کا رشتہ ٹوٹ گیا۔ حضرت انسان جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی خلافت سے نواز کر اس جہان میں آباد کیا تھا، رفتہ رفتہ وہ ضلالت و گمراہی کے عمیق دلدل میں جا پھنسا اور جہالت کی تاریکیوں میں ٹامک ٹوئیاں مارنے لگا جس سے نجات صرف شمع نبوت کی روشنی سے مل سکتی تھی۔ انسانیت پر پانچ صدیوں پر محیط ایسا طویل عرصہ گزرا جب وہ ربانی ہدایتوں سے نا آشنا اپنی من چاہی اور شیطانی زندگی کی تباہ کاریوں سے سسک رہی تھی، پوری انسانیت ہلاکت کے دہانے پر تھی کہ رحیم و کریم مولا کو لاچار انسانوں پر رحم آگیا اور پھر عرش الٰہی سے اس روئے گیتی کا رشتہ استوار کر دیا گیا۔ پہلے اور بعد والوں کے سردار نبی اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں کے ابدی کامیابی کی کلید، سسکتی انسانیت کے درد کی دوا اور تاریکی میں ڈوبی دنیا کے سامنے ہدایت کا آفتاب

لے کر حرا کے دامن سے جلوہ افروز ہوئے۔

غور کریں کہ قرآن مجید کے اولین مخاطب اہل مکہ ہیں؛ اور برائیوں کی فہرست میں وہ کون سی برائی تھی جس پر اہل مکہ فخر ومباہات کی عمارت نہ کھڑی کرتے تھے، ہر طرح کی برائی ان کے لئے باعث صد افتخار تھی، اور سب سے بڑھ کر شرک اور کفر اس وقت پوری قوت سے موجود تھا، ابراہیم علیہ السلام کی اولاد دین ابراہیم کو پوری طرح فراموش کر کے زندگی گزار رہی تھی، خود خانہ خدا میں سیکڑوں بت انسانیت کی ذلت ورسوائی کی داستان بیان کر رہے تھے۔ لیکن صدیوں بعد جب عرش الٰہی سے انسانوں کا رشتہ دوبارہ استوار ہوا تو اللہ تعالیٰ نے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے اعلان کا حکم نہیں دیا حالانکہ انسانی عقل کے مطابق سوچیں تو کم از کم توحید کی دعوت تو اس وقت ہونی چاہیے تھی لیکن خبیر وعلیم خدائے تعالیٰ نے ''اقرأ'' سے اپنے ابدی پیغام کا آغاز کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہی ''کتاب'' کی تعلیم اور تزکیہ سے عبارت ہے۔ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ اس سے صاف طور پر یہ بات سمجھی جا سکتی ہے کہ علم دنیا اور آخرت کی کامیابی کی شاہ کلید ہے۔ علم ہی انسان کو اپنے رب کی صحیح معرفت عطا کرتا ہے۔ علم وہ مشعل راہ اور چراغ منزل ہے جس کی روشنی میں بھٹکے ہوئے آہوسوئے حرم کا سفر کامیابی سے کر سکتے ہیں۔ علم ایمان کے بعد اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ علم سے بڑھ کر کوئی وجہ افتخار اور اعزاز نہیں اور جہل سے بڑھ کر کوئی چیز باعث ذلت ورسوائی نہیں۔ لیکن ہائے افسوس کہ جس امت کو لواء علم دے کر برپا کیا گیا وہی آج پوری طرح جہالت وناخواندگی کے دلدل میں پھنسی ہوئی ہے۔ طرفہ

تماشا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید پر جس قدر زیادہ غور وفکر اور تدبر کی دعوت دی اسی قدر اس سے بے اعتنائی برتی گئی۔ کوئی معمولی سی معمولی تحریر آدمی پڑھتا ہے تو اس کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے لیکن افسوس کہ کتاب الٰہی کے ساتھ ہمارا سلوک اخباری مضامین سے بھی کمتر ہو گیا ہے! ہماری اکثریت تو قرآن پڑھتی ہی نہیں ہے اور جو لوگ پڑھتے ہیں وہ اس پر غور وفکر تو دور سمجھنے کی ادنیٰ کوشش بھی نہیں کرتے ہیں۔

علم سے امت کی اس بے اعتنائی نے ہمارے بزرگ دوست محبی فی اللہ ڈاکٹر محمد واسع ظفر صاحب کو اس اہم موضوع پر قلم اٹھانے پر مجبور کر دیا۔ انہوں نے ''اسلام میں علم کی اہمیت''، ''علم دین کے حصول سے غفلت کیوں؟''، ''عصری تعلیم سے وابستہ افراد کے لئے علم دین کیوں ضروری ہے؟''، ''فضیلت علم قرآن کریم کی روشنی میں''، ''قرآن حکیم کا سمجھ کر پڑھنا ہی مطلوب ہے'' اور ''قرآن کریم اور غور وفکر کے مناہج'' جیسے اہم ترین موضوعات پر مضامین لکھے۔ ان کے ان مضامین کو ملک کے بیشتر اخبارات اور اردو نیوز و ویوز پورٹلوں نے عزت واحترام کے ساتھ شائع کیا اور قارئین نے اپنی آنکھوں کا سرمہ بنایا۔ زیر نظر کتاب ''**سیادت علم**'' ڈاکٹر صاحب کے ان ہی مضامین کا مجموعہ ہے۔ جس سے اکثر قارئین نا آشنا نہیں ہیں۔ ڈاکٹر صاحب دوستوں اور اپنے محبین کے اصرار پر اسے کتابی شکل میں شائع کر رہے ہیں۔ ان شاء اللہ علمی ذخیرہ میں یہ ایک بہترین اضافہ ثابت ہوگی، بہت سے گم گشتہ راہ کے لئے یہ خضر طریق ثابت ہوگی جب کہ راہ علم میں آبلہ پائی کے شوقین افراد کے حوصلے کو مہمیز لگائے گی۔ اس کتاب میں جو کچھ بھی لکھا گیا ہے وہ مستند حوالہ جات کے ساتھ، سہل اور آسان اسلوب میں ہے،

اس لئے عام اردوخواں حضرات کے لئے بھی یہ کتاب بڑی سودمند ثابت ہوگی۔

مصنف کتاب رسمی طور پر تو کسی مدرسہ یا دارالعلوم سے فارغ نہیں ہیں اور نہ ہی رسمی مولانا اور عالم دین ہیں، وہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے فیض یافتہ ہیں لیکن علم دین کی محبت اور مطالعہ کے شوق نے انہیں واقعی عالم دین بنادیا ہے بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ بہت سے رسمی مولویوں پر فائق ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو مصنف کے لئے ذخیرہ آخرت بنائے اور شرف قبولیت بخشے۔ آمین! رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ط اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔

محمد نافع عارفی

نائب ناظم، معہد الولی الاسلامی

ہرسنگھ پور، دربھنگہ، بہار (انڈیا)

۵؍جمادی الاولی ۱۴۴۰ھ

۱۲؍جنوری ۲۰۱۹ء

مقدمہ

بقلم ڈاکٹر سرور عالم ندوی صاحب

صدر، شعبہ عربی، پٹنہ یونیورسٹی، پٹنہ، بہار (انڈیا)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ہ

علم ایک ایسا وصف ہے جس کی اہمیت وافادیت اور قدر و قیمت کا اعتراف تو ہر انسان کرتا ہے لیکن اس کے ذریعہ کمال انسانیت کا حصول کیسے ہو؟ یہ آسان نہیں، کیوں کہ یہ علم افکار ونظریات کے دائرے میں گردش کرتا ہوا کبھی انسان کی زینت کا سبب بنتا ہے تو کبھی اس کے چہرے کا بدنما داغ بھی بن کر ابھرتا ہے۔ اس زینت و بدنمائی کے مابین تفریق کے میعار کی شناخت انسان کو کمال انسانیت سے سرفراز کرسکتی ہے۔ اس میعار کی تعین ہر اس شخص کے لئے جو اس راہ کا مسافر ہے لازمی ہے تاکہ منزل کا حصول اس کے لئے سہل و آسان ہوجائے۔ یہ تعین کسی فکر و فلسفہ کی بنیاد پر نہیں ہوسکتا بلکہ اس مقصد کے ذریعہ ہوسکتا ہے جس کے تحت انسان کو پیدا کیا گیا ہے اور وہ مقصد دنیا کے پیدا کرنے والے نے "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ" (ہم نے جنات و انسان کو صرف عبادت کے لئے پیدا کیا ہے) کے ذریعہ واضح کردیا ہے، لیکن عبادت کا تصور خالق کائنات کے نزدیک وہ نہیں ہے جو ہمارے ذہن و دماغ میں راسخ ہوچکا ہے

بلکہ زندگی کا ہر عمل عبادت بن جائے گا اگر وہ حکم الٰہی کے تابع ہو جو کہ تحصیل علم کے بغیر ممکن نہیں۔

اس فکر کو خالق لوح و قلم نے سب سے پہلے حرا کے غار سے "اِقْـرَاْ بِـاسْـمِ رَبِّکَ الَّـذِیْ خَـلَـقَ" (پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا) کے مبارک کلمات کے ذریعہ تمام بنی نوع انساں کو باور کرایا اور ایک آفاقی پیغام کے ذریعہ یہ اعلان کر دیا کہ علم کے حصول میں کسی قید و بند کی گنجائش نہیں سوائے اس کے کہ تمھارا رابطہ تمھارے پیدا کرنے والے سے ہر حال میں رہنا چاہیے۔ اگر اس ربط و تعلق کے ساتھ علم کو حاصل کیا گیا تو پھر جو بھی علم حاصل ہوگا وہ پوری دنیائے انسانیت کے لئے نہ صرف سودمند و نفع بخش ہوگا بلکہ دنیاوی کامرانی و کامیابی کی ضمانت کے ساتھ ساتھ نجات اخروی کا سبب بھی بن جائے گا۔ اس کے لئے ان تعلیمات کو ہمیشہ اپنے پیش نظر رکھنا ہوگا جن کے ذریعہ اس کائنات ارضی میں علم کی شمع روشن ہوئی جس نے جہالت و نادانی کی گھٹاٹوپ تاریکی میں ٹامک ٹوئیاں مارتی انسانیت کو ہدایت کے راستے پر گامزن کیا جسے قرآنی تعلیمات کہا جاتا ہے۔

پیش نظر کتاب "**سیادت علم**" اسی فکر و غرض کو ان تمام افراد کے ذہن و دماغ میں جو تعلیم سے اپنا رشتہ استوار کرنے کے لئے کوشاں یا علم کی تلاش میں سرگرداں ہیں، راسخ کرنے کے لئے ترتیب دی گئی ہے جس میں علم کے تئیں اسلام کے مزاج و منہاج کو بیان کیا گیا ہے۔ علوم دینیہ کی اہمیت اور اس سے وابستگی کے ساتھ یہ سمجھانے کی بھی کوشش کی گئی ہے کہ قرآن حکیم رہبر و رہنما ہے ان افراد کے لئے جو علم و فن کے کسی

بھی میدان میں اپنی کارکردگی دنیا کے سامنے پیش کرنے کے خواہاں ہیں اور جس سے غفلت تباہی ونا کامی کا سبب بن سکتا ہے۔

اس کتاب میں صرف دل دردمند کی صدائے بازگشت ہی نہیں بلکہ فکری وفنی مہارت کی جلوہ گری بھی ہے کیوں کہ مصنف کتاب محبّ گرامی محترم ڈاکٹر محمد واسع ظفر صاحب (سابق ڈین، شعبہ تعلیمات، پٹنہ یونیورسٹی، پٹنہ) کی اب تک کی زندگی کا بیشتر حصہ اسی بحر بیکراں کی غواصی میں بسر ہوا ہے، تعلیم وتربیت ان کا مشغلہ حیات ہے، اس فن (فن تعلیم وتربیت) کے گوشوں اور پہلوؤں پر ان کی گہری اور تحقیقی نظر کے ساتھ علوم اسلامیہ بالخصوص کتاب مقدس قرآن کریم سے ان کی وابستگی اور تعلق اور اس میں اظہار بیان کی صلاحیت اس کتاب کو منظر عام پر لانے کا سبب بنی۔ دعا ہے کہ مالک لوح وقلم اس کتاب کو تمام تشنگان علم وفن کی آسودگی کا سبب اور افادہ عام کا ذریعہ بناوے اور مصنف کتاب کے اخلاص کو شرف قبولیت عطا فرما کر اجر عظیم سے سرفراز فرمائے۔ آمین!

ڈاکٹر سرور عالم ندوی

صدر شعبہ عربی

پٹنہ یونیورسٹی، پٹنہ، بہار (انڈیا)

۶ ؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۰ھ

۱۳ ؍ جنوری ۲۰۱۹ء

پیش لفظ

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ ہ

اَلحَمدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَسَلامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِینَ اصطَفٰی ، اَمَّا بَعدُ !

احقر نے اپنے تعلیمی سفر کا آغاز جن حالات میں کیا اور اس سلسلے میں جن تعلیمی اداروں سے وابستگی رہی، ایسے میں اگر یہ کہوں کہ کبھی دل پر یہ خیال بھی نہ گزرا تھا کہ خاکسار کا قلم کبھی دین اسلام کی تبلیغ، اس کی ترویج و اشاعت اور دفاع میں بھی اٹھے گا، تو اس میں کوئی تصنع نہیں ہوگا۔ ایک وقت وہ تھا کہ جب بچپن کے لا ابالی پن، بے پروائی اور بےفکری کے غلبہ میں تحصیل علم سے کوسوں دور بھاگتا تھا۔ والدہ مرحومہ نوکروں کے ذریعے کھیتوں اور میدانوں سے پکڑوا کر استاد محترم جناب سلطان احمد صاحب کے حوالے کرتیں جن کو والد مرحوم نے اپنے گھر پر بطور اتالیق رکھ رکھا تھا اور یہ بھی کچھ کہنے کی بات نہیں کہ اس جہاد میں بعض اوقات چھڑیوں کے زخم بھی کھائے۔ لیکن پھر اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے جو دلوں کا پھیرنے والا ہے، آخر اپنا کام کر دیا اور یہ بندہ اسکولوں، کالجوں اور پھر یونیورسٹیوں کا سفر کرتا ہوا آج بہار کی ایک مایہ ناز یونیورسٹی، پٹنہ یونیورسٹی کے شعبہ تعلیمات میں تدریس و تحقیق کے فرائض انجام دے رہا ہے اور دوسروں کو علم کی تحصیل کے لئے ترغیبیں دے رہا ہے۔ ماضی کے حالات پر ایک نگاہ ڈالتا ہوں اور موجودہ ذمے داریوں کو دیکھتا ہوں تو زبان پر باری تعالیٰ کی شکرگزاری کے کلمات جاری ہوئے بغیر نہیں رہتے بلکہ اپنی بدعملیوں کی وجہ سے

احساس ندامت میں مبتلا ہو جاتا ہوں۔ کیسا مربی ہے وہ اور کیسی کریم ہے اس کی ذات کہ جب اس کی نگاہ کرم کسی پر پڑ جاتی ہے تو کبھی علم سے دور بھاگنے والا ایک ضدی اور سرکش بچہ، علم کا وکیل، محافظ اور مبلغ بن کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے:

ایں سعادت بزور بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

کوئی اس کی شکر گزاری کا حق کیسے ادا کر سکتا ہے، زبان اور جسم کے دیگر اعضاء و جوارح اس بات سے عاجز ہیں کہ اس کی شکر گزاری اور تعریف کا حق ادا کر سکیں۔ بس وہ ویسا ہی ہے جیسا کہ اس نے خود اپنی توصیف بیان کی ہے۔ اس مالک حقیقی کے جہاں بے پایاں احسانات ہیں، وہیں یہ احسان عظیم بھی ہے کہ اس نے کسی درجہ میں دین کی محبت اور علم دین کے حصول کا شوق بھی دیا بلکہ یوں کہا جائے کہ ایسے اسباب اور محرکات پیدا کئے جن کی وجہ سے خاکسار اس کی طرف راغب ہونے پر مجبور ہوا۔ چنانچہ دسویں کلاس کے امتحانات سے فراغت کے بعد سے ہی دینی کتابوں کا بالاستیعاب مطالعہ شروع کیا۔ یہاں اس محسن کا ذکر کرنا بے محل نہ ہوگا جس کی حوصلہ افزائیوں نے احقر کے اس مشن میں مہمیز کا کام کیا۔ میری مراد حضرت مولانا عبدالرزاق قاسمیؒ (۵/جنوری ۱۹۵۸ء - ۲۱/جون ۲۰۰۸ء) سے ہے جو رشتہ میں احقر کے ماموں ہوا کرتے تھے اور جن کا تعلق بھی اسی دیار سے تھا جہاں سے احقر کا تعلق ہے یعنی بہار کے ضلع مظفر پور کا قصبہ بنی آباد۔ مولانا دارالعلوم، دیوبند کے فارغ، نہایت ہی مخلص اور خداترس انسان تھے۔ وسعت نظر اور وسعت فکر کے حامل تھے۔ ایسے ماحول میں جہاں احقر نے یہ محسوس کیا کہ عام طور پر مروجہ دینی درسگاہوں کے فارغین علوم شریعہ پر اپنی اجارہ داری سمجھتے ہیں اور عصری تعلیمی درسگاہوں سے وابستہ افراد کے بارے میں یہ تصور رکھتے ہیں کہ قرآن و حدیث اور فقہ

انھیں سمجھ میں نہیں آ سکتا ،مولانا مرحوم نے ہر ہر قدم پر بندے کی نہ صرف حوصلہ افزائی کی بلکہ اپنے ذاتی کتب خانے کا دروازہ بھی احقر کے لئے کھول دیا۔ مطالعے کے دوران جو بھی پیچیدگیاں محسوس ہوتیں یا کبھی کوئی اشکال درپیش ہوتا تو اس کی گرہ کشائی بھی کرتے۔ ذاتی مطالعے کا یہ سفر جو عقائد، فقہ اور سیرت کی ابتدائی کتابوں سے شروع ہوا تھا رفتہ رفتہ مستند ماخذوں کی طرف لے گیا اور پھر ان کے ساتھ ساتھ تفسیر، اصول تفسیر، حدیث، اصول حدیث، فتاویٰ، تصوف، اسلامی تاریخ ، فلسفہ اور نہ جانے کیا کیا پڑھتا رہا۔ مولانا کی ایک اور خصوصیت یہ تھی کہ باوجودیکہ خود فقہ حنفی کے پیرو تھے لیکن دیگر مسالک کے تئیں کسی قسم کا کوئی تعصب نہیں رکھتے تھے اور کبھی کسی کی تحریر کو پڑھنے سے صرف مسلکی بنیادوں پر نہیں روکا جیسا کہ عام طور پر روایتی علماء کی یہ روش دیکھنے کو ملتی ہے ۔مولانا کے اس رویے نے احقر کو کافی فائدہ پہنچایا اور اہل سنت والجماعت کے ہر طبقے کے علماء کی تصانیف سے خوشہ چینی اور استفادہ کرتا رہا۔ اس تمام جدو جہد میں گو کسی کو کوئی فائدہ پہنچ گیا ہو مگر احقر کا مقصد ہمیشہ اپنی فکری اور عملی اصلاح ہی رہا۔

لیکن قدرت کو کچھ اور بھی منظور تھا۔ ایک وقت وہ بھی آیا جب مولانا مرحوم نے خاکسار کو دینی موضوعات پر لکھنے پر آمادہ کیا جس کے لئے ابتداء میں تیار نہیں تھا۔ اس کی ایک وجہ اپنی علمی کم مائیگی کا احساس بھی تھا تو دوسری وجہ کسی مروجہ دینی درسگاہ سے اپنی عدم وابستگی کا خیال بھی ،سوچتا تھا کہ جب تک نام کے ساتھ قاسمی ،ندوی، فلاحی، سلفی، مصباحی وغیرہ کا لاحقہ نہ لگا ہو کوئی کسی کی تحریر کو کیوں کر اہمیت دے گا لیکن بعد کو یہ خیال کلی طور پر تو نہیں لیکن جزوی طور پر یقیناً غلط ثابت ہوا۔ مولانا مرحوم نے مجھے لکھنے کی طرف کیوں مائل کیا اس کے پیچھے کی داستان بھی بڑی عجیب وغریب ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کا پتہ دیتی ہے۔ میں جب یہ محسوس کرتا کہ کچھ لوگ اسلامی اقدار اور اسلامی شریعت کو نشانہ

بنا رہے، اس پر تنقیدیں کر رہے ہیں یا احکام شریعہ کو توڑ مروڑ کر پیش کر رہے ہیں، تو حمیت اسلامی کے اس جذبے کے تحت جو کچھ اللہ رب العزت نے عنایت کر رکھا تھا، مولانا مرحوم کو اس کے خلاف لکھنے کو کہتا۔ اس کہنے میں کچھ تو ان سے میری قربت اور کچھ میری بیبا کی کا بھی دخل تھا، لیکن مولانا کچھ لکھتے نہیں تھے۔ میں اکثر انہیں کسی نہ کسی موضوع پر لکھنے کو کہتا رہتا تو ایک بار انہوں نے یہ عرض کیا کہ میرا ذہن لکھنے کی طرف چلتا ہی نہیں ہے۔ یقین جانئے مولانا ایک بہترین خطیب اور صاحب حکمت داعی تھے لیکن وہ کچھ لکھ نہیں سکتے تھے کیوں کہ تصنیف و تالیف کی طرف ان کا ذہن ہی نہیں چلتا تھا۔ اب اسے اللہ تعالیٰ کی قدرت نہیں تو اور کیا کہیں گے کہ وہ کسی کو تقریری صلاحیت سے نوازتا ہے تو کسی کو تحریری صلاحیت سے، کسی کو دونوں سے اور کسی کو دونوں سے ہی محروم رکھتا ہے۔ شاید یہی وہ عامل تھا جس کی وجہ سے انہوں نے مجھ جیسے کم علم کو جسے زبان و بیان پر بھی قدرت نہیں، لکھنے کی طرف راغب کیا۔ شاید وہ میری فکروں کو کسی رخ پر ڈالنا چاہتے ہوں گے۔ لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ وہ احقر کی ابتدائی چند تحریریں ہی دیکھ سکے اور اس دار فانی سے حادثاتی طور پر رخصت ہو گئے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان کی بشری کوتاہیوں سے عفوو درگزر کا معاملہ فرمائے اور جنت میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام انہیں عطا کرے۔ آمین!

مولانا نے ان ابتدائی تحریروں کی بھی جو ظاہر ہے پختگی سے کوسوں دور تھیں، اپنے حسب فطرت خوب پزیرائی کی۔ ان کی حوصلہ افزائیوں نے احقر کو کافی خود اعتمادی بخشی۔ اسی طرح ایک دوسری شخصیت جن کا احقر ممنون ہے اور جن کی حوصلہ افزائیوں نے تحقیق و تصنیف کے میدان میں آگے بڑھنے کا جذبہ دیا، وہ میرے استاد ڈاکٹر محمد شریف خان مرحوم (۱۱ر نومبر ۱۹۳۴ء-۱۰ر اپریل ۲۰۰۴ء) تھے جو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ تعلیم میں پروفیسر تھے اور شعبے کی صدارت کے عہدہ پر بھی سرفراز ہو چکے تھے۔

ان کی تحریک پر ہی خاکسار نے قرآن کے فلسفہ تعلیم کو اپنی پی ایچ ڈی کا موضوع بنایا اور پانچ سو صفحات پر مشتمل ایک مقالہ لکھا جس کا عنوان تھا "The Educational Philosophy as Reflected in the Holy Quran" جس پر پٹنہ یونیورسٹی نے ۲۰۱۵ء میں احقر کو پی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض کی۔ افسوس اس بات کا ہے کہ کئی عوامل کی وجہ سے ان کی زندگی میں میں یہ کام پورا نہ کر سکا اور وہ بھی ایک حادثہ کا شکار ہو کر اس دارفانی سے کوچ کر گئے۔ اللہ پاک ان کی بھی مغفرت فرمائے اور اخروی درجات عالیہ سے نوازے۔ آمین! احقر کو کم از کم اس بات کی تسلی ضرور ہے کہ ان کی دیرینہ خواہش کو گوان کی رحلت کے بعد ہی سہی پورا کر دیا۔

ایک اور بزرگ شخصیت جن کا احقر کی ذہنی وفکری آبیاری میں اہم رول رہا ہے، ڈاکٹر نادر علی خان صاحب ہیں۔ وہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ اردو کے استاذ تھے، ابھی بقید حیات ہیں اور سبکدوشی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ تحریک دعوت وتبلیغ سے ان کی گہری وابستگی رہی بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ تدریسی ذمے داریوں کی ادائی کے علاوہ اپنے سارے اوقات انہوں نے دعوت وتبلیغ کے لئے ہی وقف کر رکھے تھے تو اس میں کوئی مبالغہ نہیں ہوگا لیکن اب اپنی پیرانہ سالی کے باعث وہ دعوتی سرگرمیوں سے لگ بھگ کنارہ ہو چکے ہیں۔ تاہم اس حال میں بھی جب کہ وہ صاحب فراش ہیں معتقدین، محبین اور طالبین حق کی رشد و ہدایت کا سلسلہ اپنی رہائش گاہ میں جاری رکھا ہوا ہے۔ موصوف سے علی گڑھ کی طالب علمی کے زمانے میں گہرا تعلق رہا اور یہ تعلق رسمی درس و تدریس کا نہیں بلکہ ارادت مندانہ ہی تھا جو خاکسار کی شخصیت پر لاتعداد انمٹ نقوش چھوڑ گیا۔ ان سے علم وحکمت کی بے شمار باتیں سیکھیں اور ہر قدم پر ان کی رہنمائی سے فیض یاب ہوا۔ ان کے ہی مشورے پر خاکسار نے شعبہ تعلیم کا رخ کیا اور درس وتدریس کو اپنا

کیریر بنایا جب کہ دوسرے متبادل بھی اس وقت موجود تھے اور آج جو کچھ بھی ہوں اس میں ان کی دعاؤں اور حوصلہ افزائیوں کا بہت بڑا دخل ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان کا سایۂ عاطفت دیر تک مجھ جیسے ہزاروں معتقدین پر قائم رکھے اور دنیا و آخرت کی عافیتوں سے بہرہ یاب کرے۔ آمین!

حاصل کلام یہ کہ والدہ مرحومہ کی ابتدائی توجہات، اساتذہ کرام اور ان بزرگوں کی تربیت جن کا ذکر سطور بالا میں ہوا، ذاتی مطالعہ اور سب سے بڑھ کر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی کرم فرمائیوں کا نتیجہ ہے کہ آج یہ تحریرات قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ خاکسار نے گزشتہ سالوں میں برادران ملت بالخصوص نوجوانوں کی اصلاح کے پیش نظر متعدد مضامین لکھے جو ملک کے اہم اخبارات اور ویوز پورٹلس پر شائع ہوتے رہے اور کافی سراہے بھی گئے۔ کافی دنوں سے مخلص دوستوں، قارئین اور محبین کی یہ رائے آرہی تھی کہ ان مضامین کو کتابی شکل دے دی جائے تاکہ وہ تمام محفوظ بھی ہو جائیں اور ان سے استفادہ کا سلسلہ بھی جاری رہے لیکن احقر نے کچھ تو اپنی کاہلی اور کچھ اپنی تحریرات کے Underestimation کی وجہ سے آگے قدم نہیں بڑھایا۔ مگر میری خوشی اور حیرت و استعجاب کی انتہا نہ رہی جب یہ مشورہ حضرت مولانا محمد قاسم مظفر پوری دامت برکاتہم، قاضی شریعت، دارالقضاء، امارت شرعیہ، بہار نے ایک ملاقات میں دیا اور پھر ٹیلیفون پر ہوئی ایک گفتگو میں بھی دعاؤں کے ساتھ اس کی تاکید کی۔ اس کے بعد احقر نے اس کا ارادہ تو مصمم کرلیا لیکن ابھی کوئی عملی قدم اٹھانے کو ہی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جناب ظفر سلطان صاحب، ریٹائرڈ، لیبارٹری ٹیکنیشین، ریجنل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ آف یونانی میڈیسن، پٹنہ سیٹی کو میرے پاس بھیج دیا اور انہوں نے اس سلسلے میں ہر طرح کے امداد کی پیش کش کر دی جس کے بعد تساہلی کی کوئی گنجائش ہی نہ

رہی۔ تاہم ان کی یہ رائے ہوئی کہ کتابیں بہت ضخیم نہ ہوں بلکہ پانچ چھ مضامین پر ہی مشتمل ہوں تاکہ لوگ اسے خرید سکیں اور پڑھ بھی سکیں کیوں کہ عام طور پر ضخیم کتابوں کو پڑھنے سے لوگ گھبراتے ہیں۔ اس لئے احقر نے اول مرحلے میں ان چھ مضامین کو منتخب کیا ہے جو برادران ملت میں عموماً اور نوجوانوں میں خصوصاً تحصیل علم کا جذبہ ابھارنے کے لئے لکھے گئے ہے۔ ان میں نہ صرف علوم شریعہ کی تحصیل کی وکالت ہے بلکہ عصری علوم کی ضرورت، افادیت اور ان کی اسلامی بنیادیں بھی تلاشنے کی کوشش کی گئی ہے۔ احقر کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات اقدس سے امید ہے کہ جو بھی ان مضامین کا مطالعہ بالاستیعاب کرلے گا، تحصیل علم کی طرف ان شاء اللہ ضرور راغب ہوگا۔ میری ان تحریروں میں عصری تعلیم سے وابستہ نوجوانوں کے لئے خصوصی عبرت کا سامان ہے کہ اگر وہ چاہیں تو اپنی موجودہ تعلیم کے ساتھ علوم شریعہ کی تحصیل پر بھی توجہ دے سکتے ہیں بلکہ ان پر مہارت بھی حاصل کر سکتے ہیں۔

آخر میں جناب مفتی محمد نافع عارفی صاحب اور ڈاکٹر سرور عالم ندوی صاحب کا بے انتہا شکر گزار ہوں کہ ان حضرات نے خاکسار کی اس حقیر پیش کش پر علی الترتیب تقریظ اور مقدمے لکھے۔ ڈاکٹر سرور صاحب دوہری شکر گزاری کے مستحق ہیں کہ انہوں نے ان تمام مضامین کی نظر ثانی بھی کی ہے۔ ڈاکٹر محمد صغیر الدین صاحب، دریاپور، پٹنہ کا بھی شکر گزار ہوں کہ وہ احقر کو کبھی چین سے بیٹھنے نہیں دیتے اور کچھ نہ کچھ لکھتے رہنے پر برانگیختہ کرتے رہتے ہیں۔ جناب ظفر سلطان صاحب کا بے حد ممنون ہوں کہ جنہوں نے اس کتاب کی اشاعت میں نہ صرف مالی معاونت کی ہے بلکہ ان کی مستعدی نے ہی بالآخر احقر سے یہ کام کرالیا ہے۔ اور اختتام پر اس ہستی کا شکر ادا کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں جن کے تعاون کے بغیر یہ لکھنا پڑھنا کچھ بھی ممکن نہیں ہوسکتا تھا۔ میری مراد رفیقۂ حیات محترمہ

فرزانہ ممتاز صاحبہ سے ہے جن کے بہت سے ارمان یقیناً میری دن رات کی علمی مشغولیوں کی وجہ سے قربان ہوگئے ہیں اور جس کو انہوں نے بڑے صبر وتحمل سے برداشت کیا ہے۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ اس کاوش کو قبول فرما کر خود احقر کے لئے اور اس کے تمام مربین کے لئے ثواب جاریہ بنادے۔ اپنے بچوں محمد بلال ظفر، آسیہ ظفر اور عالیہ ظفر کے لئے بھی دعا گو ہوں کہ میری علمی، تدریسی اور دعوتی سرگرمیوں کی وجہ سے ان کی جو حق تلفی ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ ان سب کو اس کا بہترین بدلہ اپنی طرف سے عطا فرمائے۔ آمین! یارب العالمین!

ڈاکٹر محمد واسع ظفر

استاذ وسابق ہیڈ و ڈین، فیکلٹی آف ایجوکیشن،
پٹنہ یونیورسٹی، پٹنہ، بہار (انڈیا)

۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۰ھ
۱۵/ جنوری ۲۰۱۹ء

اسلام میں علم کی اہمیت

یوں تو علم کے بغیر کسی بھی دین و مذہب کا تصور نہیں کیا جا سکتا لیکن دین اگر اسلام ہو تو یہ تصور اور بھی مشکل ہو جاتا ہے کیوں کہ یہ وہ مذہب نہیں جو صرف چند عقائد اور رسوم کا مجموعہ ہو اور جس کی بنیاد اساطیر اولین اور دیومالائی قصے ہوں بلکہ یہ وہ نظام زندگی و دستور حیات ہے جس کی بنیاد کتاب الٰہی اور سنت نبویؐ پر قائم ہے اور جو اپنے ماننے والوں سے یہ تقاضا کرتا ہے کہ وہ بشمول عقائد و عبادات زندگی کے تمام شعبوں میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے احکام اور اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پابند ہو۔ لفظ 'مسلم' کے لغوی معنی بھی اطاعت گزار اور فرمانبردار کے ہی ہیں۔ چنانچہ کامل مسلمان کہے جانے کا مستحق صرف وہ شخص ہے جس نے عقائد، عبادات، اخلاق و معاملات، معاشرت، معیشت، سیاست اور نظام عدل و انصاف جیسے شعبوں میں اللہ کے احکام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے سامنے اپنا سر جھکا دیا ہو اور اپنے نفس کی خواہشات اور پسندیدگی و ناپسندیدگی سے دست بردار ہو گیا ہو۔ ظاہر ہے یہ تبھی ممکن ہے جب ایک انسان ان مختلف شعبوں سے متعلق اللہ تعالیٰ کے احکام اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کا علم رکھتا ہو بصورت دیگر دین پر عمل پیرا ہونے اور اس پر قائم رہنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ علم کا نہ ہونا لازمی طور پر اللہ کے احکام کے ٹوٹنے یا چھوٹنے کا سبب بنتا ہے۔ نیز دین کا صحیح اور جامع تصور بھی علم کے ذریعہ ہی قائم ہوتا ہے۔ علم نہیں ہونے کی وجہ سے ہی بعض لوگ آباء واجداد سے چلی

آ رہی چند رسوم کو ہی دین سمجھتے ہیں اور بعض چند عبادات یا دین کی جزئیات کو۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان عبادات کی ادائی میں تو وہ بڑے مستعد نظر آتے ہیں لیکن ان کی زندگی کا اخلاقی اور معاملاتی پہلو نہایت ہی تاریک اور لوگوں کو اسلام سے متنفر کرنے والا ہوتا ہے۔

علم کی اسی اہمیت کے پیش نظر اللہ رب العزت نے جب اپنے آخری نبیؐ پر اپنی ہدایات کو نازل کرنے کا ارادہ فرمایا تو اس کی ابتدا ''اِقْــرَاْ'' سے فرمائی جس کا مطلب ہے 'پڑھو'، پھر ان پر علم وحکمت کا فیضان کیا جس کا مقصد امت کی تعلیم وتربیت ہی تھا اور اسی لئے ان کا تعارف بھی امت سے بحیثیت معلم کرایا۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے: ﴿کَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْکُمْ رَسُوْلًا مِّنْکُمْ یَتْلُوْا عَلَیْکُمْ اٰیٰتِنَا وَیُزَکِّیْکُمْ وَ یُعَلِّمُکُمُ الْکِتٰبَ وَ الْحِکْمَةَ وَ یُعَلِّمُکُمْ مَّالَمْ تَکُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ﴾۔ (ترجمہ): ''جیسا کہ ہم نے تم میں ایک رسول تم میں سے بھیجا، وہ تم پر ہماری آیات پڑھتے ہیں اور تمھیں پاک کرتے ہیں اور وہ تمھیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں اور تمھیں ایسی باتیں سکھاتے ہیں جنہیں تم نہیں جانتے تھے''۔ (البقرۃ: ۱۵۱)۔ خود رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنا تعارف بحیثیت معلم کرایا ہے۔ آپ کا ارشاد ہے: ''اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا'' یعنی ''میں تو صرف معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں''۔ (سنن ابن ماجہ، کِتَابُ الْمُقَدِّمَةِ، بَابُ فَضْلِ الْعُلَمَآءِ وَالْحَثِّ عَلٰی طَلَبِ الْعِلْمِ، بروایت عبداللہ بن عمروؓ)۔ آپؐ نے امت کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری کو اپنی آخری سانس تک نبھایا اور معلم ہونے کا حق ادا کر دیا۔ علم اور دین کے گہرے تعلق کی وجہ سے ہی اللہ رب العزت نے اپنے بندوں کے لئے یہ حکم جاری فرمایا: ﴿فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ه﴾۔ (ترجمہ): ''پس اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے دریافت کرلو''۔ (النحل: ۴۳)۔ اور نبی کریمؐ نے علم

دین کی طلب کوفرض قرار دیا ہے، آپؐ نے فرمایا: ''طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ'' یعنی ''علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے''۔ (سنن ابن ماجہ، کتاب المقدمۃ، باب فضل العلمآء والحث علی طلب العلم، بروایت انس بن مالکؓ)۔

اس حدیث مبارکہ کی تشریح علماء نے یہی کی ہے کہ اتنا علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر لازم ہے جس سے اس کے عقائد درست ہو جائیں اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے عائد کردہ فرائض کو وہ احسن طریقے پر ادا کر سکے اور منہیات سے بچ سکے۔ طہارت سے متعلق احکام و مسائل اور عبادات میں سے نماز اور روزہ کے مسائل کو جاننا ہر عاقل اور بالغ مسلمان پر فرض ہے کیوں کہ یہ عبادتیں عموی طور پر فرض ہیں لیکن زکوۃ اور حج سے متعلق مسائل کا جاننا صرف ان افراد پر لازم ہے جن پر مال و دولت کی موجودگی کی وجہ سے یہ عبادتیں فرض ہوگئی ہوں۔ ان کے علاوہ اخلاقیات، معاشرت، معاملات اور اسباب معیشت کے بنیادی احکام و مسائل کو جاننا ہر ایک مسلمان پر فرض ہے کیوں کہ ان سے کسی کو مفر نہیں۔ نیز حصول رزق کے جس شعبے کو جو اختیار کرے اس کے لئے اس شعبے سے متعلق مسائل کی تفصیلات کا جاننا ضروری ہے ورنہ وہ حرام اور سود میں مبتلا ہوگا اور اسے خبر بھی نہ ہوگی البتہ دوسرے شعبوں سے متعلق احکام کا جاننا اس کے لئے ضروری نہیں۔ شریعت کے تمام مسائل کا جاننا ہر ایک کے لئے ضروری نہیں بلکہ یہ امت کے اوپر فرض کفایہ ہے یعنی کسی شہر یا بستی میں اگر کچھ افراد بھی جملہ علوم کے عالم ہوں تو سب کے ذمہ سے یہ فرض ساقط ہو جائے گا ورنہ سب کے سب گنہگار ٹھہریں گے۔

دین کا علم نہیں ہونے کے نقصانات کئی طرح سے سامنے آتے ہیں۔ انسان

جب شریعت کے علم سے محروم ہوتا ہے تو اسے کسی نہ کسی کی اندھی تقلید کرنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔ یہ اندھی تقلید کسی عالم کی بھی ہوسکتی ہے، اپنے آباء واجداد کی بھی اور بعض مرتبہ مذہب کا لبادہ اوڑھ کر اپنا پیٹ پالنے والے فاسق وفاجر کی بھی۔ علم نہیں ہونے کا فائدہ دنیاپرست علماء اور جعلی قسم کے صوفیا خوب اٹھاتے ہیں اور دین کے نام پر بھولی بھالی عوام کا خوب استحصال کیا جاتا ہے بلکہ بعض اوقات ان کی جیب کے ساتھ ساتھ ایمان وعقائد پر بھی ڈاکہ ڈالا جاتا ہے۔ جاننا چاہیے کہ تقلید صرف اس شخص کی معتبر ہے جس کے عقائد و اعمال قرآن وسنت کے معیار پر پورے اترتے ہوں اور جس کے علم اور تقوی کے اہل نظر قائل ہوں اور خود انسان کا دل بھی اس پر مطمئن ہو۔ آباء واجداد کی محبت اپنی جگہ لیکن ان کے بھی صرف ان ہی اعمال اور وصیتوں کی پیروی کی جائے گی جو قرآن وسنت کے عین مطابق ہوں بصورت دیگر انھیں بھی رد کیا جائے گا کیوں کہ قرآن میں اس بات کی سخت مذمت کی گئی ہے کہ آباء واجداد کی پیروی ناحق طریقے میں کی جائے۔ ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ﴾۔ (ترجمہ): ''اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ جو (کتاب) اللہ نے نازل فرمائی ہے اُس کی پیروی کرو تو کہتے ہیں کہ (نہیں) بلکہ ہم تو اُسی چیز کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا۔ بھلا اگر چہ اُن کے باپ دادا نہ کچھ سمجھتے ہوں اور نہ ہی سیدھے راستے پر ہوں (تب بھی وہ انہیں کی تقلید کیے جائیں گے؟)۔'' (البقرۃ: ۱۷۰)۔ اب یہ ظاہر ہے کہ کسی کے عقائد واعمال کو قرآن وسنت کے معیار پر پرکھنے کے لئے بھی بنیادی علم کی ضرورت ہے۔

علم کی اہمیت کا ایک اور پہلو یہ بھی ہے کہ اس کے بغیر اسلامی شریعت کے اندر اللہ اور اس کے رسولؐ نے جو بنیادی سہولیات اور آسانیاں رکھی ہیں ان سے واقف نہیں ہوا جا سکتا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دین پر عمل کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت اور اس کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے دین کو بالکل آسان بنایا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد بھی ہے: ''إِنَّ الدِّينَ يُسْرٌ، وَ لَنْ يُشَادَّ الدِّيْنَ أَحَدٌ إِلَّا غَلَبَهُ'' یعنی ''بے شک دین آسان ہے اور جو شخص دین میں سختی اختیار کرے گا تو دین اس پر غالب آجائے گا''۔ (صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب الدِّيْنُ يُسْرٌ، بروایت ابو ہریرہؓ)۔ آپؐ کا یہ بھی ارشاد ہے: ''إِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَبْعَثْنِي مُعَنِّتًا وَ لَا مُتَعَنِّتًا وَ لٰكِنْ بَعَثَنِي مُعَلِّمًا مُيَسِّرًا'' یعنی ''بے شک اللہ نے مجھے (لوگوں کو) رنج و مصیبت میں مبتلا کرنے کے لئے نہیں بھیجا بلکہ اس نے مجھے آسانی پیدا کرنے والا معلم بنا کر بھیجا ہے''۔ (صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب بَيَانِ أَنَّ تَخْيِيرَ امْرَأَتِهِ لَا يَكُونُ طَلَاقًا إِلَّا بِالنِّيَّةِ، بروایت جابرؓ)۔

لیکن علم نہ ہونے کی وجہ سے بعض مرتبہ انسان واقعتاً سخت مشکلات میں پڑ جاتا ہے۔ اس کی ایک نہیں متعدد مثالیں راقم کے سامنے آچکی ہیں۔ صرف ایک پر اکتفا کرتا ہوں۔ میرے ایک رفیق نے حج میں پیش آنے والی مشکلات کا مجھ سے تذکرہ کیا جس میں انہوں نے یہ بھی بتایا کہ سعی کے دوران جب وہ تیسرا یا چوتھا شوط (چکر) پورا کر رہے تھے تو ان کا وضو ٹوٹ گیا، چنانچہ انہوں نے وضو کر کے پھر سے سعی کی۔ تو میں نے ان کو بتایا کہ شوط کے اعادہ کی ضرورت ہی نہیں تھی کیوں کہ سعی میں وضو شرط نہیں بلکہ مستحب ہے اور بغیر وضو کے بھی سعی درست ہے۔ اس پر انہوں نے فرمایا کہ یہ بات مجھے معلوم نہیں تھی

جس کی وجہ سے یہ مشقت اٹھانی پڑی۔ جان لیجئے کہ صفا اور مروہ کی دوری لگ بھگ ۴۵۰ رمیٹر (۱۴۸۰ رفٹ) ہے اور سات چکر لگ بھگ ۱۵ء۳ رکلومیٹر (۹۶ء۱ رمیل) ہو جاتا۔ اب اندازہ کیجئے کہ ایک معمر شخص کے لئے دونوں کے درمیان چار چکروں کے بعد پھر سے سات چکر لگانا کتنی پریشانی کا باعث ہوا ہوگا۔ اور یہ کیوں ہوا، صرف علم کے نہ ہونے کی وجہ سے۔ اسی طرح پاکی ناپاکی، تیمّم، سفر کے دوران نمازوں میں قصر، جمع بین الصلوٰتین، سنن ونوافل میں اختیارات وغیرہ نہ جانے کتنے مسائل ایسے ہیں جن سے واقف نہ ہونے یا غلط معلومات ہونے کی وجہ سے لوگ مشکلات میں پڑتے ہیں۔

ان کے علاوہ ہر مسلمان پر اللہ تعالیٰ نے جو دعوتی ذمہ داری عائد کی اس کو ادا کرنے کے لئے بھی علم کی ضرورت ہے۔ افسوس یہ ہے کہ ہمیں اس دعوتی ذمہ داری کا احساس ہی نہیں جبکہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو یہ حکم دیا کہ اپنی اتباع کرنے والوں سے کہو کہ ان کا بھی وہی کام ہے جو ان کے نبی کا کام ہے یعنی اللہ کے بندوں کو اللہ کی طرف بلانا۔ ارشاد ہے: ﴿قُلْ هٰذِهٖ سَبِیْلِیْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِیْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ﴾۔ (ترجمہ): ”آپ کہہ دیجئے کہ یہ میرا راستہ ہے، میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں بصیرت کے ساتھ، میں (بھی) اور وہ (بھی) جس نے میری مطابعت کی۔“ (یوسف: ۱۰۸)۔ دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے: ﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ﴾۔ (ترجمہ): ”اپنے رب کی طرف لوگوں کو حکمت اور بہترین نصیحت کے ساتھ بلائیے اور ان سے بہترین طریقے سے گفتگو کیجئے“۔ (النحل: ۱۲۵)۔ اس طرح دعوت کی یہ ذمہ داری ہر مسلمان پر عائد ہوتی ہے جسے حکمت اور بصیرت کے ساتھ احسن طریقے پر ادا کرنا ہے جو علم کے بغیر ادا

نہیں ہوسکتی۔ خصوصاً ہمارے ملک میں اس کے مواقع بہت ہی زیادہ ہیں کہ ہر شعبہ میں ہمارا واسطہ غیروں سے پڑتا ہے جو اسلام کو ہم سے سمجھنا چاہتے ہیں۔ لیکن ہماری اکثریت کا یہ حال ہے کہ انہیں نہ ہی دین کا علم ہے اور نہ ہی ان کی زندگی میں اسلامی صفات ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہم غیروں کو متاثر کرنے کے بجائے اسلام سے متنفر ہی کرتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر نقصان یہ ہو رہا ہے کہ ہماری نئی نسل غیروں کی تہذیب سے متاثر اور مرعوب ہوتی جارہی ہے اور اسلامی تہذیب سے دور ہوتی جارہی ہے۔ اب تو ہمارے بچے بچیاں غیروں سے شادیاں بھی رچا رہے ہیں، ان کے اندر کفر و شرک کی پلیدی کا احساس بھی ختم ہوگیا۔ افسوس کہ جس قوم کو داعی بنایا گیا تھا وہ مدعو ہوگئی۔ یہ سب صحیح تعلیم و تربیت کے فقدان کا ہی نتیجہ ہے۔

یہاں تک راقم السطور نے شریعت کے علوم کی اہمیت کو واضح کیا ہے اور اب باری ہے عصری علوم کی۔ اسلام نے علوم کے درمیان کوئی تفریق نہیں کی بلکہ صرف اس کے نفع کے پہلو کو ملحوظ رکھا ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ سے نفع بخش علم کی دعا منقول ہے: ''اَللّٰھُمَّ انْفَعْنِي بِمَا عَلَّمْتَنِي، وَ عَلِّمْنِي مَا يَنْفَعُنِي، وَزِدْنِي عِلْمًا''۔ (ترجمہ): ''اے اللہ! نفع بخش بنادیجئے میرے لئے اس چیز کو جو آپ نے مجھے سکھایا ہے اور مجھے (مزید) وہ چیز سکھادیجئے جو کہ نفع دے مجھ کو اور میرے علم میں اضافہ فرمادیجئے''۔ (سنن ابن ماجہ، کِتَابُ الدُّعَاءِ، بَابُ دُعَاءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، بروایت ابوہریرہؓ)۔ اور اللہ رب العزت نے ہم سب کو یہ دعا سکھائی ہے: ﴿رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً﴾۔ (ترجمہ): ''اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما''۔ (البقرۃ:۲۰۱)۔ اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ

مسلمانوں کی صرف اخروی زندگی نہیں بلکہ دنیوی زندگی کی بہتری بھی اللہ کو مقصود ہے۔ اس لئے ہر وہ علم جو عالم انسانیت کے لئے نفع بخش ہو اور جس سے دنیوی زندگی کی بہتری کی امید ہو اس کو حاصل کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔

یہ بھی غور طلب ہے کہ پہلے انسان اور ہم سب کے جدامجد آدم علیہ السلام کو سب سے پہلے اشیاء کا ہی علم دیا گیا جس کا تذکرہ آیت ﴿وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا﴾ میں ہے جس کا مطلب ہے: "اور سکھا دئے اس (اللہ) نے آدمؑ کو تمام اشیاء کے نام"۔ (البقرۃ:۳۱)۔ شریعت کا علم تو ان کو بعد میں دیا گیا جب وہ زمین پر اتارے گئے۔ اس آیت کی تفسیر مفسرین نے یہی کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو کائنات کی تمام اشیاء کے نام مع ان کے آثار و خواص کے عطا فرمائے تھے اور یہی بحیثیت انسان اور بحیثیت خلیفۃ اللہ فرشتوں پر ان کی فضیلت کا باعث ہوا۔ ظاہر ہے اس کا مقصد یہی تھا کہ وہ اور ان کی اولاد دنیوی زندگی میں ان اشیاء سے حسب علم نفع حاصل کر سکیں۔ اگر غور کیجئے تو سائنس کے جتنے شعبے ہیں مثلاً علم ہیئت (Astronomy)، علم طبیعیات (Physics)، علم الارض (Geology)، علم کیمیا (Chemistry)، علم حیاتیاتی کیمیا (Biochemistry)، علم حیوانات (Zoology)، علم حیوانات پروری (Animal Husbandry)، نحل پروری (Bee Keeping)، علم نباتات (Botany)، زرعی تعلیم (Agriculture Education)، میڈیکل سائنس (Medical Science) کے تمام شعبے وغیرہ اشیاء کے علم سے ہی متعلق ہیں۔ اسی طرح تمام اطلاقی سائنس (Applied Sciences) اور علم صنعت و حرفت (Technology) جو انسانیت کے لئے نفع بخش ہیں، کے حصول کا جواز بھی ثابت

شدہ ہے۔نوح کو کشتی بنانے اور داؤد کو زرہ بنانے کا علم عطا کیا جانا قرآن میں علی الترتیب سورۃ ہود:۳۷ اور سورۃ الانبیاء:۸۰ میں مذکور ہے۔اسی طرح حضرت ذوالقرنین کا لوہے اور تانبے کے استعمال سے واقف ہونا اور ان کے ذریعے دیوار بنا کر ایک قوم کی یاجوج ماجوج سے حفاظت کرنا سورۃ الکہف:۹۶ میں مذکور ہے۔قرآن میں ان باتوں کا ذکر یونہی نہیں کیا گیا بلکہ اس سے نفع بخش صنعت و حرفت کے علم کے حصول کی طرف ایک طرح کی رہنمائی مقصود ہے جس کی نوعیت وقت کے ساتھ تبدیل ہوگی۔اس لئے اپنی اور عالم انسانیت کی زندگی کو بہتر بنانے اور عام انسانوں کو نفع پہنچانے کے ارادے سے ایسے جدید علوم کو حاصل کرنا بھی اسلامی تعلیمات کے عین مطابق اور کارِ ثواب ہوگا۔

اس حقیقت سے بھی کسی کو انکار نہیں ہوسکتا کہ ایک متمدن اور صالح معاشرہ کو ہر علم وفن کے حامل افراد کی ضرورت ہوتی ہے۔مثال کے طور پر اگر کسی سماج میں کوئی ڈاکٹر یا طب کا ماہر نہ ہو تو اس کے افراد کی پریشانی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔اسی طرح کسی بھی حکومت کو اپنا نظام چلانے کے لئے ہر سیکٹر میں ماہرین علم وفن کی ضرورت ہوتی ہے۔ایک اسلامی معاشرہ اور اسلامی نظام حکومت کو بھی ان ضرورتوں سے مفر نہیں۔اگر ایسے افراد ملت کے اندر نہیں ہوں گے تو غیروں پر انحصار کرنا پڑے گا جو بعض اوقات مصلحت کے خلاف بھی ہوسکتا ہے۔سیرت نبویؐ میں بھی اس سلسلے میں رہنمائی موجود ہے۔رسول اللہ ﷺ کی قبائل یہود سے خط و کتابت ہوتی تھی اور صحابہ میں سے کوئی بھی ان کی زبان سریانی کا جانکار نہیں تھا جس کی وجہ سے آپؐ کو کسی یہودی کی مدد لینی پڑتی تھی۔آپؐ نے حضرت زید بن ثابتؓ سے فرمایا کہ اللہ کی قسم مجھے یہودیوں پر بالکل اعتماد نہیں کہ وہ میرے لئے صحیح لکھتے ہیں اس لئے وہ سریانی زبان سیکھ لیں۔چنانچہ حضرت زید بن ثابتؓ

نے پندرہ دنوں کے اندر وہ زبان سیکھ لی اور ان کے سیکھنے کے بعد یہودیوں کی طرف سے کوئی خط آتا تو رسول اللہ ﷺ کو وہ ہی پڑھ کر سناتے اور آپؐ کے حسب ارشاد اس کا جواب بھی لکھتے۔(جامع ترمذی، أَبْوَابُ الْإِسْتِئْذَانِ وَ الْآدَابِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، بَابُ مَاجَاءَ فِي تَعْلِيمِ السُّرْيَانِيَّةِ، بروایت زید بن ثابتؓ)۔

سیرت نبویؐ کے اس واقعے سے یہ اخذ کرنا دشوار نہیں ہے کہ اسلامی معاشرے میں ہر زبان کے ماہرین کا ہونا انتظامی اور دعوتی دونوں نقطہ نظر سے ضروری ہے۔اسی طرح دیگر علوم وفنون کے متعلق بھی قیاس کر لیجئے۔قرآن پاک میں اس بات کا بھی واضح اشارہ موجود ہے کہ بادشاہت، امارت اور حکمرانی کے اہل، اہل علم ہی ہیں۔اس کو سمجھنے کے لئے سورۃ البقرہ کی آیت ۲۴۷ میں طالوت کو بنی اسرائیل پر بادشاہ مقرر کئے جانے کی جو علت بیان کی گئی ہے اس پر غور کیا جا سکتا ہے۔گو اکابر علماء نے یہاں علم سے شریعت کا علم مراد لیا ہے لیکن احقر کی رائے میں اگر اس کے ساتھ ساتھ حکمرانی اور سیاست کا علم بھی مراد لیا جائے تو اس کی گنجائش یہاں موجود ہے کیوں کہ حکمرانی کے لئے دنیا کے سیاسی اور معاشی نظام، جغرافیائی حالات اور انتظام عامہ کا بھی ماہر ہونا لابدی ہے۔

ایک اور بات جس کا انکار ممکن نہیں کہ علم ہی آج کے دور کی قوت ہے۔علم انسان کو ذہنی غلامی اور دوسروں پر انحصار سے آزاد کر دیتا ہے اور اس کے اندر خود اعتمادی پیدا کرتا ہے۔علم اگر نہیں ہو تو انسان کو روزمرہ کی بہت سی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے دوسروں پر منحصر رہنا پڑتا ہے۔ایک جمہوری ملک میں اپنے حقوق وفرائض سے آگہی بھی علم کے ذریعے ہی ہوتی ہے۔ان پڑھ اور غیر تعلیم یافتہ لوگ کمزور تصور کئے جاتے

ہیں، سماج میں ان کا کوئی مقام نہیں ہوتا اور وہ قوی اور شاطر لوگوں کے ہاتھوں مختلف قسم کے استحصال کا شکار ہوتے ہیں۔ اس لئے بھی ضروری ہے کہ انسان علم حاصل کرے اور سماج میں خود کو عزت دار اور قوی بنائے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قوی مومن بہ نسبت کمزور مومن کے زیادہ پسندیدہ ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''اَلْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ خَيْرٌ وَ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيفِ، وَ فِي كُلٍّ خَيْرٌ، احْرِصْ عَلَى مَا يَنْفَعُكَ وَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ، وَ لَا تَعْجَزْ'' ۔(ترجمہ): ''قوی مومن اللہ کے نزدیک کمزور مومن کی نسبت بہتر اور زیادہ محبوب ہے اور ہر ایک (مومن) میں خیر ہے۔ جس چیز سے تمہیں (حقیقی) نفع پہنچے، اس میں حرص (محنت و کوشش) کرو اور اللہ سے مدد طلب کرو اور عاجزی و سستی نہ کرو''۔ (صحیح مسلم، كتابُ الْقَدَر، باب فِي الْأَمْرِ بِالْقُوَّةِ وَ تَرْكِ الْعَجْزِ وَالْاِسْتِعَانَةِ بِاللّٰهِ وَتَفْوِيْضِ الْمَقَادِيْرِ لِلّٰهِ، بروایت ابو ہریرہؓ)۔

اس حدیث سے جہاں ایمانی اور جسمانی قوت کا پسندیدہ ہونا مراد لیا جاتا ہے وہاں علمی قوت وصلاحیت کا مراد لیا جانا بھی اس دور کے تناظر میں عقل سے بعید نہیں۔ دوسری بات یہ کہ اس حدیث سے اس فکر کی بھی تائید ہوگئی کہ جس چیز سے حقیقی نفع پہنچنے کی امید ہو اس کو حاصل کرنے کی محنت وسعی کرنا ایک مستحسن عمل ہے اور نبوی تعلیمات کا حصہ ہے۔ اس لئے وہ تمام جدید علوم جو کسی بھی دور کی طاقت بن سکتے ہیں اور مسلم معاشرے کو بہتری کی طرف لے جا سکتے ہیں، ان کو حاصل کرنے میں مسلم نوجوانوں کو آگے آنا چاہیے خواہ وہ علوم غیروں سے حاصل کرنے پڑیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے بدر کے قیدیوں کا استعمال مسلم بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھانے کے لئے کیا۔ بس ایک شرط ہے کہ ان تمام علوم کے حصول کا مقصد دنیا طلبی اور نام ونمود نہ ہو بلکہ انسانیت کی نفع رسانی

اور اللہ کی رضا مقصود ہو۔ یہ بھی نیت رکھیں کہ ان علوم کی وجہ سے جس شعبہ میں جاؤں گا اور جہاں کہیں بھی رسائی ممکن ہوگی وہاں عملی طور پر اللہ کے دین سے لوگوں کو متعارف بھی کراؤں گا۔ ایسا کرنے سے اللہ کی مدد بھی شامل حال ہوگی اور ان علوم کو حاصل کرنے کی تمام تر سعی، مشقت اور اخراجات اللہ کے راہ میں شمار ہوں گے اور ان کا بدلہ آخرت میں نیکی کی شکل میں ملے گا اور دنیوی فوائد بھی ہاتھ سے نہیں جائیں گے۔ وہ اس حدیث میں دی گئی بشارت کا مستحق گردانا جائے گا: "مَنْ جَائَهُ الْمَوْتُ وَ هُوَ يَطْلُبُ الْعِلْمَ لِيُحْيِيَ بِهِ الْإِسْلَامَ فَبَيْنَهُ وَ بَيْنَ النَّبِيِّيْنَ دَرَجَةٌ وَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ" یعنی "جس شخص کی موت ایسی حالت میں آئے کہ وہ علم اس لئے حاصل کر رہا تھا کہ اس کے ذریعے سے اسلام کو زندہ کرے تو جنت میں اس کے اور انبیاء کے درمیان صرف ایک درجے کا فرق رہے گا"۔ (سنن الدارمی، کتاب العلم، باب فِي فَضْلِ الْعِلْمِ وَالْعَالِمِ، بروایت حسن بصریؒ)۔ اس کے برعکس ان علوم سے اگر صرف دنیا طلبی مقصود رہی تو نہ صرف یہ کہ اللہ کی مدد اٹھ جائے گی بلکہ ان تمام نیکیوں سے جو متوقع ہیں محروم ہو جائے گا۔

یہ ہے اسلام میں علم کی اہمیت و افادیت کی مختصر سی جھلک۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ مسلمانوں کے علم کے تصور کو جامعیت بخشے اور نئی نسل کو محض اپنے رب کی رضا کی خاطر تمام نفع بخش علوم کے حصول کے لئے جدوجہد کرنے کا جذبہ عطا کرے۔ آمین!

☆☆☆☆☆

علم دین کے حصول سے غفلت کیوں؟

اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے۔ چنانچہ اسلامی احکام کے دائرہ میں صرف عقائد و عبادات ہی نہیں بلکہ معاملات، اخلاقیات، معاشرت، معیشت (یعنی حصول رزق کے مختلف ذرائع ملازمت، تجارت، زراعت، صنعت وحرفت وغیرہ)، سیاست اور نظام عدل وانصاف بھی آتے ہیں۔ گویا مسلمان ہونے کا مطلب ہی یہ ہے کہ آدمی زندگی کے ان تمام شعبوں میں اللہ اور اس کے رسولؐ کے صادر کردہ احکام کا پابند ہو۔ لیکن ایک انسان سے اس وقت تک اس کی امید نہیں کی جاسکتی جب تک کہ اسے ان تمام احکام کا علم نہ ہو۔ یعنی علم کے بغیر دین پر چلنے اور اس پر قائم رہنے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ دین پر چلنے کے لئے علم دین کا حصول ایک لازمی شئے ہے۔ اس لئے اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: ﴿فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝﴾۔ (ترجمہ): ''پس اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے دریافت کرلو''۔ (النحل: ۴۳)۔ اور نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا: ''طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ'' یعنی ''علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے''۔ (سنن ابن ماجہ، کتابُ الْمُقَدِّمَة، بَابُ فَضْلِ الْعُلَمَآءِ وَالْحَثِّ عَلٰى طَلَبِ الْعِلْمِ، بروایت انس بن مالکؓ)۔

اب سوال یہ ہے کہ کتنا علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر ضروری ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اتنا علم حاصل کرنا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے جس سے کہ اس کے عقائد درست ہوجائیں اور اللہ کا جو فریضہ اس پر عائد ہے اس کو صحیح طریقے سے ادا کرسکے اور

اللہ اور اس کے رسولؐ نے جن چیزوں سے منع کیا ہے ان سے بچ سکے۔ اس کے علاوہ معاملات، اخلاقیات، معاشرت ومعیشت کے بنیادی احکام کا جاننا سب پر ضروری ہے۔ مزید برآں حصول رزق کے جس شعبے کو جو اختیار کرے اس کے لئے اس شعبے سے متعلق مسائل کی تفصیلات کا جاننا ضروری ہے، دوسرے شعبوں سے متعلق احکام کا جاننا ضروری نہیں۔ عبادات میں بھی طہارت، نماز اور روزہ سے متعلق مسائل کا جاننا ہر عاقل و بالغ پر ضروری ہے۔ زکوٰۃ اور حج سے متعلق مسائل کا جاننا صرف ان پر ضروری ہے جو صاحب مال ہوں اور جن پر یہ عبادتیں فرض ہوگئی ہوں۔ دین کے تمام مسائل کا جاننا فرض کفایہ ہے یعنی اگر کچھ لوگ کسی بستی یا شہر کے اندر تمام علوم کے عالم ہوں تو سب کے ذمے سے یہ فرض ساقط ہو جائے گا ورنہ سب گنہگار ہوں گے۔

ان تفصیلات کو جاننے کے بعد ذرا آپ خود کا بھی محاسبہ کریں اور اپنے گرد و نواح میں رہنے والے مسلمانوں کا بھی جائزہ لیں تو آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ مسلمانوں میں علم دین کے حصول سے کس قدر غفلت، بے پروائی اور استغنا پایا جاتا ہے۔ علم دین سے دوری کی وجہ سے آج ملت اسلام سے کوسوں دور ہو چکی ہے۔ لوگ شرک و بدعات میں مبتلا ہو رہے ہیں، رسم ورواج کو دین کا درجہ دیا جا رہا ہے اور جو چیزیں عین دین ہیں ان کو دین نہیں سمجھا جاتا۔ علم دین سے اس بے پروائی کی سب سے بڑی وجہ آخرت سے بے فکری اور اسلام سے لگاؤ کا نہ ہونا ہے۔ لوگ دنیا میں اس قدر محو ہیں کہ انہیں آخرت کی تیاری کی کوئی فکر ہی نہیں، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام سے آزاد ہو کر اپنی من چاہی زندگی گزار رہے ہیں اور دعوائے مسلمانی بھی ہاتھ سے نہیں جاتا حالانکہ اللہ کے رسول ﷺ کی نظر میں عقلمند انسان وہ ہے جو موت کو یاد رکھے اور

مرنے سے قبل اس کی بہترین تیاری کر لے۔ مسلمانوں کی اکثریت ایسی ہے جس کا تصور دین ہی درست نہیں، چند رسم ورواج کی پابندی کو ہی لوگ دین سمجھتے ہیں۔ جب دین کا صحیح تصور آئے تو انہیں احکام کو جاننے کی فکر ہو؟

علم دین کے حصول کی تگ ودو سے غفلت کی ایک دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ علم دین مدارس میں جا کر ہی حاصل کیا جا سکتا ہے اور وہ بھی ایک خاص عمر تک اور چونکہ دنیوی امور کے ساتھ مشغولیت انہیں مدارس میں جانے نہیں دیتی اور نہ ہی یہ ہر ایک کے لئے ممکن ہے اس لئے وہ حصول علم کا ارادہ بھی نہیں کرتے۔ اس فکر کو بنانے میں مدرسوں کے فارغین کا بھی بڑا رول ہے، اپنی تقریر وتحریر میں وہ لوگ یہی تاثر دیتے ہیں اور علم کی ترویج کے لئے اسی واحد ذریعے کے استعمال پر ان کی خاص توجہ ہوتی ہے اور ایک خاص عمر کے بچے اور نوجوان ہی ان کا ہدف ہوتے ہیں، ان بالغوں کی تعلیم کے لئے جو مدارس سے باہر ہیں ان کے پاس کوئی خاص لائحہ عمل نہیں ہوتا سوائے جمعہ اور جلسوں کی تقاریر کے جو کہ رسمی ہی ہوتی ہیں اور جن میں مسائل پر گفتگو شاید ہی کبھی ہوتی ہے۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ کے اولین ہدف ان کے ہم عصر بالغان تھے، دوئم درجہ میں ان کے بچے تھے۔ اعلان نبوت کے بعد آپ کی زندگی کا بیشتر وقت تعلیم اور اصلاح بالغان ہی میں گذرا ہے اور تاریخ گواہ ہے کہ اس کے لئے آپؐ نے کسی رسمی نظام (Formal System) کو مخصوص نہیں کیا بلکہ چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، سفر میں حضر میں، مسجد میں تو کبھی بازار میں، کبھی کسی کے مکان پر تو کبھی قبرستان میں اور کبھی جنگ کے میدان میں الغرض جس وقت بھی جو موقع آپؐ نے مناسب پایا تعلیم اور اصلاح سے نہیں چوکے۔ اس لئے راقم کے خیال میں یہ سراسر ایک غلط خیال ہے کہ تعلیم

مروجہ مدارس ہی میں ممکن ہے۔ اول تو یہ کہ علم حاصل کرنے کی کوئی عمر نہیں ہوتی؛ یہ ایک ایسا عمل ہے جو پوری عمر جاری رہ سکتا ہے، صرف شرط یہ ہے کہ انسان ویسا انداز فکر اور میلان رکھے۔ دوئم یہ کہ مدارس تحصیل علم کے ذرائع میں سے ایک رسمی ذریعہ (Formal Means) ہے جبکہ غیر رسمی ذرائع (Informal Means) اور طریقے بہت سے ہو سکتے ہیں اگر علم کو ہم سند اور ڈگریوں سے جوڑ کر نہ دیکھیں۔ اصل چیز اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام سے واقف ہونا ہے، خواہ اس کی واقفیت مدارس میں ہو کہ محلے کی مسجد میں یا کسی مبلغ کے گھر پر ہو۔ علم کو سند اور ڈگریوں سے جوڑ کر دیکھنا کسی پیشہ وری کے لئے ضروری تو ہو سکتا ہے لیکن دین کے لئے قطعاً ضروری نہیں۔ صحابہؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کے دور کے عالموں کے پاس کسی درسگاہ کی کوئی سند نہیں تھی لیکن آج پوری امت علم دین کے حصول میں ان کی قرض دار ہے۔ اس ملک میں ہی کئی نامور عالم دین ایسے گزرے ہیں جن کے پاس کسی مروجہ مدرسہ کی کوئی ڈگری نہیں تھی لیکن علم دین کی ترویج واشاعت میں ان کی خدمات کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ دوسری طرف مدرسوں کے فارغین میں بھی بہت سے ایسے ہوتے ہیں جنہیں جاہل کہنا زیادہ مناسب ہے اور جن کے سر پر دستار فضیلت ایک بوجھ ہی ہوا کرتی ہے۔ خود راقم کو ایسے کئی اہل سند سے واسطہ پڑ چکا ہے جنہیں طہارت، وضو اور نماز کے مسائل تک کا صحیح علم نہیں۔ اگر ان جیسے لوگوں کے ساتھ اپنے تجربات اور مکالمات کو قلمبند کروں تو مضمون کے نہایت طویل ہو جانے کا خوف ہے بلکہ دو تین مضامین بھی شاید کم پڑ جائیں۔

حقیقت یہ ہے کہ مدارس میں بھی صحیح عالم وہی لوگ بن پاتے ہیں جو علم کی حقیقی

تڑپ رکھتے ہیں اور ذاتی مطالعوں سے اپنے علم کی ترقی کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ اگر اسی ذاتی مطالعہ کو سماج میں رواج دیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کے علم دین کی ترویج کا کام نہ ہو لیکن افسوس یہ ہے کہ علماء ایسا کرتے نہیں بلکہ الٹا حوصلہ شکنی کرتے ہیں۔ میں نے کئی عالموں کو یہ کہتے سنا ہے کہ کتابیں پڑھنے سے کوئی عالم نہیں ہو جاتا۔ میں اس خیال کا سختی سے تردید کرتا رہا ہوں بلکہ یہ کہتا ہوں کہ کتابیں پڑھنے سے ہی انسان عالم ہوتا ہے، مدارس تو صرف ماحول فراہم کرتے ہیں اور اساتذہ معاون مطالعہ ہوتے ہیں۔ ایک وقت تھا کہ جب کتابوں کا وجود کم تھا اور علم سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا تھا لیکن آج کتابیں علوم کا اہم ذریعہ ہیں اور کتابیں امین بھی ہوتی ہیں کہ علوم کو نسل در نسل بلاکم وکاست منتقل کر دیتی ہیں۔ اس لئے زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ذاتی مطالعہ کسی عالم کی نگرانی میں کیا جائے تا کہ اگر کوئی پیچیدگی آئے تو ان سے رجوع کر کے اس مسئلہ کو حل کر سکے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ہر مسجد میں کتب خانے قائم کئے جائیں اور اس میں دین کی بنیادی درسی اور غیر درسی کتابیں اردو، ہندی اور انگلش بھی زبانوں میں رکھی جائیں کیوں کہ یہ ہر کسی کے بس میں نہیں کہ وہ کتابیں خرید سکے اور نہ ہی ہر آدمی کتابوں سے واقف ہوتا ہے۔ مطالعے میں صحیح کتابوں کا انتخاب بھی ایک اہم چیز ہے۔ اس سلسلے میں مساجد کے ائمہ اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔

دوسری صورت علماء اور ائمہ کے ذریعہ یہ بھی اختیار کی جاسکتی ہے کہ وہ مساجد میں کسی ایسے وقت میں جس میں مقامی لوگ زیادہ فارغ ہوں (مثلاً مغرب اور عشاء کے درمیان) درس کا نظام قائم کریں اور ترتیب سے دین کے مختلف شعبوں سے متعلق مسائل کو بیان کریں۔ اس کے لئے کسی درسی یا غیر درسی کتاب کا سہارا بھی لیا جاسکتا ہے۔ اگر

آدھ پون گھنٹہ ہر روز تیاری کے ساتھ یہ درس دیئے جائیں اور لوگوں کو ترغیب دے کر اور علم کی فضیلت بتا کر اس سے جوڑا جائے تو بڑی کایا پلٹ ہوسکتی ہے۔ لیکن اس کے لئے داعیانہ مزاج، لوگوں کی اصلاح کی فکر اور دین کی تڑپ کا ہونا ضروری ہے۔ بندہ نے ایک خدا ترس عالم کو جو رشتہ میں میرے ماموں ہوا کرتے تھے ایک بار اس چیز کی طرف توجہ دلائی تو انہوں نے میرے گاؤں کی مسجد میں مغرب اور عشاء کے درمیان اس نظام کو قائم کیا جو کافی دنوں تک چلا اور اس درس میں ۲۵ سے ۳۰ نوجوان روزانہ شریک ہوا کرتے تھے۔ درس کے اس نظام میں انہوں نے فقہ کی ابتدائی کتاب۔قدوری مکمل پڑھائی اور ایک ایک مسئلے کی وضاحت کی۔ افسوس کہ اب وہ اس دنیا میں نہیں رہے۔ اللہ ان کی مغفرت کرے اور جزائے خیر سے نوازے۔ آمین!

اسی طرح ہر گھر میں درس کا نظام قائم کرنے کے لئے علماء اور ائمہ مساجد کو لوگوں کو ترغیب دینی چاہیے، درس کے لئے کتابوں کے انتخاب میں لوگوں کی رہنمائی بھی کرنی چاہیے بلکہ اس کا جائزہ بھی لیتے رہنا چاہیے کہ کتنے گھروں میں یہ نظام قائم ہو پایا ہے۔ ہر گھر کا تعلیم یافتہ شخص اگر روزانہ بعد نماز عشاء یا کسی اور فارغ وقت میں ۱۵ سے ۲۰ منٹ اپنے گھر کے تمام افراد کو جوڑ کر کسی دینی کتاب کا درس کرے تو عورتوں اور بچوں میں بڑی تبدیلی آسکتی ہے۔ اسکول اور کالج کے طلبہ کے لئے گرمی کی چھٹیوں میں ۱۰-۱۵ دنوں کا سمر کیمپ لگایا جاسکتا ہے جس میں دین کی بنیادی باتیں بتائی جاسکتی ہیں۔ اس کیمپ کا نظم اسکولوں میں بھی کیا جاسکتا ہے اور مساجد میں بھی۔ بندہ عاجز نے اپنی مسجد میں اس کا تجربہ بھی کیا ہے جو نہایت مفید رہا۔ خلاصہ یہ کہ ہر عالم کچھ دین دار لوگوں کو اپنے ساتھ لے کر اپنے گاؤں، محلے اور علاقے میں دینی تعلیم کے فروغ اور اصلاح کو مشن بنا کر اگر

ایک منظم کوشش کرے تو کایا پلٹ ہو سکتی ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ لوگ تعلیمی بیداری کانفرنس کرتے ہیں، اخبارات میں اپنی تصویریں اور بیانات شائع کرواتے ہیں اور بس۔ زمینی سطح پر کام کرنے کو کوئی تیار نہیں، الا ماشاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا کرے۔ آمین!

علم دین کے حصول کی تگ ودو سے دوری اختیار کرنے کی ایک بڑی وجہ یہ غلط فہمی بھی ہے کہ صرف عربی داں ہی علم دین حاصل کر سکتے ہیں، غیر عربی داں کی دینی علوم تک رسائی نہیں ہو سکتی۔ یہ بات بھی کسی زمانہ میں صحیح ہوگی لیکن دور حاضر میں یہ ایک سراسر غلط خیال ہے۔ اکابر علماء نے اپنی انتھک کوششوں سے دینی علوم کے تمام ذخیروں کو عوام الناس کے استفادے کے لئے اردو زبان میں منتقل کر دیا ہے بلکہ اب تو دینی علوم کا ایک بڑا حصہ انگریزی زبان میں بھی منتقل ہو چکا ہے۔ قابل فخر بات یہ ہے کہ علماء نے کسی فن کو نہیں چھوڑا! تجوید، تفسیر، اصول تفسیر، حدیث، اصول حدیث، فقہ واصول فقہ، اسلامی تاریخ، سیرت رسولؐ، سیرت صحابہ، تصوف وتزکیہ نفس ہر موضوع پر درسی وغیر درسی کتابیں اردو اور انگریزی میں دستیاب ہیں۔ فتاویٰ کی ضخیم کتابوں کا اردو میں ترجمہ کیا جا چکا ہے۔ ہندی زبان میں دینی لٹریچر تیار کرنے کی طرف توجہ تھوڑی تاخیر سے دی گئی ہے لیکن اس میں بھی بہت کام ہو چکا ہے، بہت جاری ہے اور اس پر مزید توجہ کی ضرورت بھی ہے۔ اس لئے کسی آدمی کے اندر دینی علوم کے حصول کی تڑپ پیدا ہو جائے تو وہ اپنے پسند کی زبان میں بہ آسانی علم حاصل کر سکتا ہے۔ اصل چیز اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کو جاننا ہے خواہ کسی زبان میں جانے وہ طلب علم کی فضیلت حاصل کرنے والا ہوگا۔ اس سلسلہ میں تفسیر مواہب الرحمٰن وعین الہدایہ کے مصنف اور فتاویٰ عالمگیری کے مترجم مولانا سیّد امیر علیؒ کی رائے نقل کر دینا مناسب سمجھتا ہوں تا کہ مسئلہ اور واضح ہو جائے۔ وہ لکھتے

ہیں:

"...اور فقیہ ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام جاننا کافی ہے خواہ عربی زبان میں جانے یا اردو میں حتیٰ کہ جو عربی داں کہ خالی منطق و فلسفہ جانے وہ عالم نہ ہوگا اور اس کو یہ بزرگی حاصل نہ ہوگی اور جو اردو جاننے والا دین کی سمجھ رکھتا ہو یعنی علم دین سے آگاہ ہو وہ فقیہ شمار ہوگا جبکہ اس کو علم یقینی ہو"۔ آگے مزید وضاحت کرتے ہیں کہ:"... مطلب کا سمجھ لینا کسی زبان میں ہو اصلی غرض ہے اس واسطے جو لوگ کہ عربی زبان نہیں جانتے مگر فارسی یا اردو خوب جانتے ہیں اور دنیا کے لئے کچہری، درباروں و مدرسوں میں امتحان دیتے اور نوکریاں کرتے ہیں اور دنیا کے مطلب کی باتیں ان زبانوں میں خوب سمجھتے اور ذہن نشین کر لیتے ہیں مگر نماز روزہ کے معنی بلکہ کلمہ توحید لا الہ الا اللہ کے معنی بھی نہیں سمجھتے اور نہ سمجھنے کا قصد کرتے ہیں وہ ایسی ناسمجھی سے اپنے آپ کو خراب کرتے ہیں اور یہ عذر کچھ قبول کے قابل نہیں ہے کہ ہم تو عربی نہیں جانتے۔ ہاں! یہ صحیح ہے کہ تم نے نہیں معلوم کیا بے پروائی کی کہ عربی زبان اتنی بھی نہ سیکھی جو کلمہ توحید کے معنی تو سمجھ لیتے لیکن اس میں کیا عذر ہے کہ اردو ہی میں اس کے معنی سمجھ لو۔ پس ضروری ہوا کہ آدمی مطلب کو کسی زبان میں جس کو خوب سمجھتا ہو ایمان و اسلام و عقائد کا مطلب سمجھ لے اور بتوفیق الٰہی تعالیٰ اپنے دین کی فقہ حاصل کرے تاکہ عالم ہو کر علماء کے درجے میں شامل ہو واللہ تعالیٰ اعلم"۔ (مولانا سیّد امیر علیؒ مترجم فتاویٰ ہندیہ، مقدمہ فتاویٰ عالمگیری جدید اردو، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ، لاہور، جلد ا، صفحہ ۱۵)۔

مذکورہ عبارت سے یہ اشکال بھی دور ہو گیا کہ آپ دینی مسائل کو نہیں سمجھ سکتے۔ جو شخص فزکس، کیمسٹری، بایولوجی، کمپیوٹر سائنس، اکانومکس وغیرہ جیسے پیچیدہ دنیوی علوم کو

سمجھ سکتا ہے وہ دینی مسائل کو کیوں نہیں سمجھ سکتا جس کا تعلق اس کی زندگی سے ہے۔ اس لئے کسی کے لئے کوئی عذر نہیں ہے۔ محشر میں جب عالموں سے یہ سوال ہوگا کہ اپنے علم پر کتنا عمل کیا تو بے علموں سے یہ سوال بھی تو ہوگا کہ اس نے علم حاصل کیوں نہیں کیا اور یہ سب جانتے ہیں کہ کسی بھی حکومت میں بے علمی کوئی عذر نہیں ہوتا، قانون کی خلاف ورزی کرنے والے کو یہ کہنے پر نہیں بخشا جاتا کہ وہ نہیں جانتا تھا بلکہ یہ کہا جاتا ہے کہ قانون کا جاننا اس کی ذمہ داری تھی۔ اسی پر اللہ تعالیٰ کے قانون کو قیاس کرنا چاہے۔ ہاں اللہ اپنے فضل سے کسی کو معاف کردے تو اور بات ہے۔ اس لئے علم دین کے حصول کی ہر شخص کو کوشش کرنی چاہیے۔ اس کی بڑی فضیلتیں بھی وارد ہوئی ہیں۔ حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''يَا أَبَاذَرَ ! لَأَنْ تَغْدُوَ فَتَعَلَّمَ آيَةً مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ، خيرٌ لَکَ مِنْ أَنْ تُصَلِّي مِائَةَ رَكْعَةٍ، وَ لَأَنْ تَغْدُوَ فَتَعَلَّمَ بَابًا مِنَ الْعِلْمِ، عُمِلَ بِهِ أَوْ لَمْ يُعْمَلْ، خيرٌ مِنْ أَنْ تُصَلِّيَ أَلْفَ رَكْعَةٍ'' ۔یعنی'' اے ابوذرؓ! اگر تم صبح کو (علم سیکھنے کے لئے) نکلو اور کتاب اللہ کی ایک آیت سیکھ لو تو یہ تمھارے لئے ایک سو رکعت نماز (نفل) پڑھنے سے بہتر ہے اور اگر تم صبح نکل کر علم کا ایک باب سیکھ لو خواہ اس پر (اسی وقت) عمل کرسکو یا نہ کرسکو (مثلاً تیمم کے مسائل) تو یہ تمھارے لئے ایک ہزار رکعت نماز (نفل) پڑھنے سے بہتر ہے''۔ (سنن ابن ماجہ، كتابُ الْمُقَدِّمَةِ، بابُ فَضْلِ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَ عَلَّمَهُ)۔

حضرت ابودرداءؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''مَنْ سَلَکَ طَرِيقًا يَطْلُبُ فِيهِ عِلْمًا، سَلَکَ اللّٰهُ بِهِ طَرِيقًا مِنْ طُرُقِ الْجَنَّةِ، وَ إِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَتَضَعُ أَجْنِحَتَهَا رِضًا لِطَالِبِ الْعِلْمِ، وَ إِنَّ الْعَالِمَ

لَيَسْتَغْفِرُ لَهُ مَنْ فِي السَّمٰوَاتِ وَ مَنْ فِي الْأَرْضِ وَالْحِيْتَانُ فِي جَوْفِ الْمَاءِ، وَ إِنَّ فَضْلَ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ عَلٰى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ، وَ إِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ، وَ إِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِيْنَارًا وَلَا دِرْهَمًا وَرَّثُوا الْعِلْمَ، فَمَنْ أَخَذَهُ أَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ"۔ (مفہوم): "جو شخص کسی راہ پر چلا درآں حالانکہ وہ اس میں علم (دین) کا طالب (متلاشی) ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے سبب اسے جنت کی راہوں میں سے ایک راہ پر چلاتا ہے، اور بلاشبہ فرشتے طالب علم کی خوشنودی کے لئے اپنے پر بچھاتے ہیں، اور عالم کے لئے آسمان و زمین کی ہر مخلوق، حتیٰ کہ مچھلیاں پانی میں مغفرت کی دعائیں کرتی ہیں۔ اور بے شک عالم کی فضیلت عابد پر ایسے ہی ہے جیسے کہ چودھویں رات کے چاند کی فضیلت تمام ستاروں پر، اور بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں، اور یقیناً انبیاء نے اپنے ورثے میں دینار اور درہم نہیں چھوڑے ہیں بلکہ ورثہ چھوڑا ہے علم (دین) کا، پس جس نے اسے حاصل کرلیا اس نے (وراثت نبویؐ اور شرف و فضل) کا ایک بڑا حصہ حاصل کرلیا"۔ (سنن ابی داؤد، كِتَابُ الْعِلْمِ، بَابُ الْحَثِّ عَلٰى طَلَبِ الْعِلْمِ)۔

مذکورہ حدیث میں طالب علم سے مراد صرف وہ نوجوان نہیں ہے جو کسی مدرسہ میں داخلہ لئے ہوئے ہو بلکہ ہر وہ شخص مراد ہے جو علم کی طلب اور جستجو میں لگا ہو۔ اسی طرح عالم سے مراد صرف وہ حضرات نہیں ہیں جن کے پاس کسی مدرسہ کی سند ہو بلکہ ہر وہ فرد مراد ہے جس کی کتاب و سنت پر نگاہ ہو، دین کی سمجھ رکھتا ہو اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام سے واقف ہو گو کہ دنیا والے اسے عالم نہ سمجھیں۔

اس لئے اس حقیر کی تمام مسلم برادران سے عموماً اور عصری علوم کے حاملین اور

کالج و یونیورسٹی کی تعلیم سے وابستہ افراد سے خصوصاً اپیل ہے کہ وہ اپنی تمام مشغولیتوں کے ساتھ علم دین کے حصول کی طرف بھی راغب ہوں تا کہ وہ بے علمی کے وبال سے بچ سکیں، طالب علم اور علماء کی فضیلت حاصل کر سکیں، اپنی زندگی کو علم کے مطابق سنوار سکیں اور اپنے اہل وعیال کی تربیت اسلامی خطوط پر کرنے کی جو ذمے داری ان پر عائد ہے اسے کما حقہ ادا کر سکیں۔ اس سلسلے میں خود دینی کتابوں کا مطالعہ بھی کریں اور حصول علم دین کے دیگر طریقہ کار کو بھی بروئے کار لائیں۔ اللہ پاک احقر کو بھی مذکورہ باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا کرے۔ آمین!

☆☆☆☆☆

عصری تعلیم سے وابستہ افراد کے لئے علم دین کیوں ضروری ہے؟

یوں تو علم دین ہر مسلمان کے لئے بلکہ ہر انسان کے لئے ضروری ہے کیوں کہ عقائد و اعمال کی درستی کا انحصار علم کے اوپر ہے جس پر دنیا و آخرت کی حتمی کامیابی کا دارومدار ہے لیکن کئی وجوہ کی بنا پر راقم کا خیال یہ ہے کہ عصری تعلیم سے وابستہ افراد کے لئے علم دین کی فکر کرنا زیادہ ضروری ہے۔ اس کی سب سے پہلی وجہ یہ ہے کہ عصر تعلیمی اداروں میں جس فلسفہ حیات کی تعلیم و تبلیغ کی جا رہی ہے وہ اس کی بنیاد ہی مادیت پرستی (Materialism)، عقل پرستی (Rationalism)، آزاد خیالی (Heterodoxy/Nonconformism)، نفس پرستی (Epicurism)، مذہب بیزاری (Irreligiousness) اور اللہ اور اس کے رسولوں کے احکام سے بغاوت پر ہے جس کا مقابلہ کرنے اور دین پر جمے رہنے کے لئے علم دین کا ہونا اشد ضروری ہے۔ بصورت دیگر مغربی تہذیب (Western Culture) اور طرز معاشرت سے مرعوبیت اور اپنے مذہبی و تہذیبی ورثے کے تئیں احساس کمتری کا شکار ہو جانا، دل و دماغ سے دین کی عظمت کافور ہو جانا اور اسلام کے بنیادی عقائد اور بہت سے احکام کے سلسلے میں شکوک و شبہات اور تذبذب کا شکار ہو جانا عصری تعلیم کے لازمی ثمرات میں سے ہے۔ علاوہ ازیں عصری تعلیم کا حتمی مقصد چونکہ اقتصادی ترقی، آسائش

بخش زندگی کا حصول اور عیش کوشی ہی بن کر رہ گیا ہے اس لئے عصری تعلیمی اداروں کے فارغین کے اندر مال و دولت کی حرص و ہوس کا پیدا ہو جانا اور اس کے نتیجے میں حلال وحرام کی تمیز کا کھو دینا عام طور پر مشاہدے میں ہے جس کی وجہ سے انسانی قدریں بھی پامال ہو رہی ہیں۔ اور عصری علوم کے لئے اگر کانونٹ (Convent) اور مشنری (Missionary) کے اداروں کا سہارا لیا گیا تو معاملہ کفر والحاد تک بھی پہنچ جائے تو کچھ مستبعد نہیں۔

ان باتوں کا مطلب قطعی طور پر یہ نہیں ہے کہ عصری علوم کے اندر یہ خرابیاں ذاتی وخلقی طور پر (inherently) موجود ہیں بلکہ ان میں بہت سے ایسے علوم ہیں جو انسانیت کے لئے بہت ہی نفع بخش ہیں لیکن انہیں چونکہ مغربی افکار اور مغربی تہذیب کے قالب میں ڈھال کر پیش کیا جاتا ہے اس لئے مذکورہ نتائج سامنے آجاتے ہیں۔ یہ اسلام ہی ہے جو ایک انسان کو مادیت پرستی اور الحاد سے ہٹا کر خدا پرستی کی طرف لے جاتا ہے، عقل کو وحی الٰہی کے تابع کرنا اور نفس کی بندگی چھوڑ کر اللہ کی بندگی کرنا سکھاتا ہے اور اسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کا پابند بناتا ہے۔ لیکن یہ سب تب ہی ممکن ہے جب اسے اسلامی تعلیمات سے نہ صرف یہ کہ روشناس کرایا جائے بلکہ اس کی تعلیم و تربیت اسلامی اقدار کے مطابق کی جائے۔ ہمارے معاشرے میں تو ایک عجیب چلن ہو گیا ہے کہ بچہ تین سال کا ہوا نہیں کہ اسے کسی کانونٹ یا مشنری اسکول میں ڈال دیتے ہیں جہاں وہ اپنے دینی وثقافتی ورثے سے بالکل کٹ جاتا ہے اور خالی ذہن پر مغربیت اور کفریہ افکار بہ آسانی نقش کر دئے جاتے ہیں جس کے نتیجہ میں رسول پاک ﷺ کا ایک امتی جس کی صلاحیتوں کا استعمال دین کا دفاع کرنے اور اسلامی اقدار کی احیاء وبقاء کے

لئے ہونا چاہیے تھا، اپنی صلاحیتوں کا استعمال دینی وشرعی اقدار کو تنقید کا نشانہ بنانے کے لئے کرتا ہے، علماء کو تاریک خیال اور خود کو روشن خیال تصور کرتا ہے اور دشمنان دین کو تالیاں پیٹنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ اس طرح دنیا بنانے کی فکر میں والدین خود ہی اپنے بچے کی آخرت کو داؤ پر لگا دیتے ہیں۔ جو لوگ دین دار تصور کئے جاتے ہیں وہ بھی اپنے بچوں کے لئے قرآن کی ناظرہ خوانی اور چند دعاؤں کو حفظ کرا دینے سے زیادہ کی فکر نہیں کرتے جس سے ان کے عقائد وافکار پر کوئی معنی خیز فرق نہیں پڑتا جب کہ ہونا یہ چاہیے تھا کہ ان کے دل ودماغ میں اسلامی عقائد کو راسخ کیا جاتا، دین کی عظمت ان کے دلوں میں بٹھائی جاتی، اسلام کی بنیادی تعلیمات سے اسے روشناس کیا جاتا اور ان کے اندر داعیانہ صفات پیدا کی جاتی تاکہ زمانے کی تیز وتند ہواؤں کا وہ مقابلہ کر سکتے لیکن افسوس صد افسوس کہ ایسا ہوتا نہیں ہے۔

عصری تعلیم سے وابستہ مسلمانوں کے لئے علم دین کی یک گونہ زیادہ فکر کرنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ ان کا اختلاط زمانہ طالب علمی سے لے کر عملی زندگی تک مختلف شعبہ حیات میں غیروں سے ہوتا ہے۔ مدرسوں کے فارغین کا واسطہ غیروں سے نہیں کے برابر پڑتا ہے کیوں کہ عام طور پر وہ لوگ مکاتب، مدارس، مساجد اور خانقاہوں تک ہی محدود رہتے ہیں، اس لئے ان کی زندگی میں جو دین ہے وہ غیروں کے سامنے نہیں جاتا۔ اس کے برعکس عصری اداروں کے فارغین کی پوری زندگی غیروں کے نگاہ میں ہوتی ہے اور اسلام کے بارے میں جو تصور وہ قائم کرتے ہیں وہ عصری تعلیم کے حامل مسلمانوں کی زندگی کو دیکھ کر ہی کرتے ہیں اور چونکہ ان کی زندگی میں دین نہیں ہوتا اس لئے وہ لوگ اسلام سے متاثر تو کیا ہوتے الٹا بدظن ہو جاتے ہیں۔ تجربے اور مشاہدے میں یہ بھی ہے

کہ اگر کسی غیر مسلم نے کبھی کوئی سوال اسلام کے بارے میں اپنے مسلمان ساتھی سے
کردیا تو اس بیچارے کے پاس اتنا علم بھی نہیں ہوتا کہ اس کا تشفی بخش جواب دے سکے،
اس لئے یا تو وہ خاموش رہ جاتا ہے یا الٹی سیدھی باتیں بنا کر اسے مزید بدظن کر دیتا ہے۔
اس طرح غیروں کے نزدیک اسلام کا غلط تصور قائم کرنے کے ذمے دار عام طور پر عصری
اداروں کے فارغ مسلمان ہی ہوتے ہیں نہ کہ مدرسوں کے فارغ علماء الاّ یہ کہ ان کے
بیانات یا ان کی کارکردگی میڈیا کے ذریعہ غیر مسلموں تک پہنچیں۔ اس لئے بھی بہت
ضرورت اس بات کی ہے کہ عصری تعلیم سے وابستہ مسلم نوجوانوں کے لئے علم دین کی
زیادہ سے زیادہ فکر کی جائے۔

تیسرا سبب جس کی وجہ سے عصری تعلیم سے وابستہ مسلمانوں کے لئے علم دین
کی زیادہ فکر کرنے کا داعیہ پیدا ہوتا ہے یہ ہے کہ ایک عام تاثر یہ پایا جاتا ہے کہ آج کے
دور میں تمام شعبہ حیات میں مکمل اسلامی اقدار کے ساتھ زندگی گزارنا مشکل ہی نہیں
تقریباً ناممکن ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسلام ایک فرسودہ نظام حیات ہے جو اس دور
کے لئے پریکٹیکل اور موزوں نہیں۔ اس طرح کی باتیں صرف غیر مسلم ہی نہیں کہتے بلکہ
ایمان کی کمزوری اور اپنی تہذیب کے تئیں احساس کمتری کے شکار کچھ مسلمان بھی کہتے
سنے جاتے ہیں جبکہ یہ سراسر غلط ہے۔ اسلام ایک آفاقی نظام حیات ہے اور اللہ رب
العزت نے اس کی تکمیل کر کے اور انبیاء کا سلسلہ موقوف کر کے تمام عالم کے انسانوں کو
یہ پیغام دے دیا ہے کہ یہی وہ نظام حیات ہے جو رہتی دنیا تک کے لئے موزوں اور
کارآمد ہے اور تم سب کی دنیا و آخرت کی کامیابی اسی نظام سے وابستہ ہے۔ اس میں کچھ
شک نہیں کہ دنیا کے اندر عدل و انصاف اور امن وسکون صرف اور صرف اسلام ہی لا سکتا

ہے اور اسلام ہی انسانیت کے جملہ مسائل کا حل دے سکتا ہے، شرط یہ ہے کہ اسلام اپنی پوری اسپرٹ کے ساتھ ہم سب کی زندگیوں میں موجود ہو، صرف دعوائے مسلمانی نہ ہو۔ یہ بات تو تجربے نے بھی ثابت ہو چکی ہے کہ اسلام کے مقابلہ میں جتنے بھی فلسفہ حیات پیش کئے گئے سب کے سب سیاسی، سماجی اور اقتصادی محاذ پر بالکل ناکام ثابت ہوئے۔ لیکن ہماری بدقسمتی بھی یہ ہے کہ موجودہ دور میں ہم کوئی خطہ ارض نمونہ کے طور پر پیش نہیں کر سکتے جہاں اسلامی نظام پورے طور پر نافذ ہو۔ اس لئے اغیار کو یہ کہنے کا موقع ملتا ہے کہ اسلامی معاشرت اور اسلامی اقدار کی باتیں محض کتابی باتیں ہیں جس کا حقیقت سے دور کا تعلق نہیں؟ اس لئے دور حاضر کے مسلمانوں کے لئے یہ ایک چیلنج ہے کہ وہ عملاً اس بات کو ثابت کریں کہ اسلام ایک پریکٹیکل مذہب ہے، اس دور میں بھی اس کی تعلیمات پر چلنا ممکن ہے اور آج بھی اس کی اتنی ہی معنویت (relevance) ہے جتنی کہ رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے زمانہ میں تھی۔ اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہر مسلمان خواہ وہ جس شعبے میں ہو خود کو اس شعبے میں رسول اللہ ﷺ کے دین کا ایک نمائندہ تصور کرے اور اول درجے میں اپنی زندگی میں اسلام کو نافذ کر کے دوسروں کے لئے عملی نمونہ بنے تا کہ دنیا والے یہ دیکھیں کہ ایک ایمان والا ڈاکٹر، انجینئر، پروفیسر، ایڈووکیٹ، تاجر، منتظم اور سماجی کارکن وغیرہ کیسا ہوتا ہے؟ آج تو غیروں کی طرز زندگی اور ہماری طرز زندگی میں کوئی فرق ہی نہیں، سود اگر ایک غیر مسلم کھا رہا ہے تو ایک مسلمان بھی، رشوت اگر ایک غیر مسلم لے رہا ہے تو ایک مسلمان بھی لے رہا ہے، دھوکہ دھڑی اگر ایک غیر مسلم کر رہا ہے تو ایک مسلمان بھی تو پھر کوئی اسلام یا مسلمانوں سے کیوں کر متاثر ہو۔ ظاہر ہے کہ ان مختلف شعبہ ہائے حیات میں عملی نمونہ عصری علوم کے

حاملین ہی بن سکتے ہیں مدرسوں کے فارغین نہیں، الا ماشاء اللہ اور یہ تب تک ممکن نہیں جب تک لوگ علم دین حاصل نہ کریں اور ان کی تربیت اسلامی ماحول میں اسلامی خطوط پر نہ ہو۔

مذکورہ وجوہ کا جائزہ لینے کے بعد ایک ہوشمند مسلمان یہ سمجھ سکتا ہے عصری تعلیم سے وابستہ افراد کی اسلام سے عدم واقفیت، بے علمی اور بدعملی کے نتائج کتنے سنگین نوعیت کے ہیں اور انسانی معاشرے پر اس کے کیا اثرات مرتب ہو رہے ہیں؟ لیکن ایک عجیب بات یہ ہے کہ اس کی طرف نہ کسی نام نہاد دانشور کا خیال جاتا ہے نہ کسی تاریک خیال تصور کئے جانے والے مولوی صاحب کا، الا ماشاء اللہ بلکہ جسے دیکھو مدرسوں کے نصاب تعلیم کی اصلاح اور اسے عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی فکر میں پڑا ہے۔ کسی دانشور کی زبان سے حرف غلط کی طرح بھی یہ نہیں نکلتا کہ عصری تعلیمی اداروں میں دین اور دینی تعلیم کو داخل کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ ہم نے دنیا کی محدود زندگی کو ہی سب کچھ سمجھ رکھا ہے اور آخرت کی لامحدود زندگی کو بالکل بھلا رکھا ہے جب کہ دنیوی زندگی کی اہمیت صرف اس لئے ہے کہ اس میں آخرت کی تیاری کرنے کا موقع فراہم کیا گیا ہے اور عقلمند انسان وہ ہے جو اس موقع کا صحیح استعمال کر لے۔ یہاں یہ واضح کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا کہ بندہ مدارس کے نصاب تعلیم اور طرز تعلیم میں اصلاح اور اسے عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی فکر کا مخالف نہیں ہے بلکہ صرف اس بات کا داعی ہے کہ جس درجہ میں اس کی ضرورت ہے اس سے کہیں زیادہ ضرورت عصری اداروں کو اسلامائز (Islamize) کرنے کی ہے۔

اس لئے عصری علوم کے حاملین اور کالج و یونیورسٹی کی تعلیم سے وابستہ

افراد سے اس بندہ عاجز کی خصوصاً اپیل ہے کہ وہ اس مسئلے کو سنجیدگی سے لیں اور اپنی تمام مشغولیتوں کے ساتھ علم دین کے حصول کی بھی فکر کریں۔ خود بھی دین پر گامزن ہوں اور اپنے اہل و عیال کی تربیت بھی اسلامی انداز میں کریں تا کہ دنیا کے ساتھ ان کی آخرت بھی سنور جائے اور لوگوں کے لئے ان کی زندگی ایک عملی نمونہ ہو۔ وہ اپنے کردار و عمل سے بھی اور زبان و قلم سے بھی اسلام اور اسلامی تہذیب کی سر بلندی کا ذریعہ بنیں نہ کہ ان کی رسوائی کا۔ شاعر مشرق علامہ اقبالؒ نے کیا خوب کہا ہے:

مری زندگی کا مقصد تیرے دیں کی سرفرازی

میں اسی لئے مسلماں، میں اسی لئے نمازی

علماء اور مبلغین حضرات کو بھی چاہیے کہ عصری تعلیم سے وابستہ افراد کی دینی بیداری اور اصلاح کی خصوصی فکر کریں۔ عصری تعلیمی اداروں سے اپنا ربط بڑھائیں اور وہاں طلباء اور اساتذہ کے لئے اسلامی معلومات پر مبنی قلیل مدتی کورسز (Short Term Courses) کا وقتاً فوقتاً انعقاد کریں تا کہ اسلام کی صحیح جانکاری ان تک پہنچ سکے اور اسلام سے ان کا لگاؤ بھی بڑھے۔ اس کے علاوہ اسلامی موضوعات پر مضمون نگاری، تقاریر، مباحثہ، کوئز وغیرہ کا انعقاد بھی کیا جا سکتا ہے اور انعامات کے ذریعہ شرکاء کی حوصلہ افزائی بھی کی جا سکتی ہے۔ بڑے مدارس کے ذمے داران اگر چاہیں تو اس طرح کے پروگرام منظم ڈھنگ سے چلا سکتے ہیں جس کے دوررس نتائج ہو سکتے ہیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہم سب کو دین کی صحیح فکر نصیب کرے اور ان باتوں پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

☆☆☆☆☆
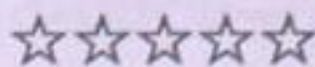
فضیلت علم: قرآن کریم کی روشنی میں

یوں تو علم کی اہمیت اور افادیت کو تمام ادیان نے تسلیم کیا ہے لیکن اسلام نے علم اور اہل علم کو جو مقام عطا کیا اس کی نظیر دوسرے ادیان میں شاید ہی ملتی ہو، لیکن المیہ یہ ہے کہ آج مسلمان علم کے میدان میں تمام اقوام عالم سے بہت ہی پیچھے ہیں، خصوصا ہمارے دیار میں حصول علم سے جس درجہ بے اعتنائی برتی جارہی ہے وہ نہایت ہی قابل افسوس ہے۔ عصری علوم کے میدان میں ہماری حالت سچر کمیٹی کی رپورٹ موسوم بہ "Social, Economic and Educational Status of the Muslim Community of India, 2006" (ہندوستان کے مسلم معاشرہ کی سماجی، اقتصادی اور تعلیمی صورتحال، ۲۰۰۶) کے منظر عام پر آنے کے بعد تو ہر کسی پر روز روشن کی طرح عیاں ہو چکی ہے لیکن جہاں تک دین کی بنیادی تعلیمات کا سوال ہے، اس میں ہماری حالت کا صحیح اندازہ صرف ان لوگوں کو ہے جو زمینی سطح پر کار دعوت سے جڑے ہوئے ہیں۔ راقم کے مشاہدات تو اس سلسلے میں بہت ہی افسوسناک ہیں۔ عام لوگوں کی تو بات ہی کیا وہ لوگ جو معاشرے میں پڑھے لکھے اور دیندار تصور کئے جاتے ہیں اور بعض وہ جنھوں نے دعوت وتبلیغ اور اصلاح معاشرہ کی ذمہ داری بھی اپنے کندھوں پر اٹھا رکھی ہے، ان کی علمی سطح اور ان کے اندر دینی علوم کے حصول کے سلسلے میں جو استغنا پایا جاتا ہے اسے دیکھ کر سخت حیرت ہوتی ہے۔ ان ہی مشاہدات سے متاثر

ہو کر خاکسار نے علم کی فضیلت پر مطالعہ شروع کیا اور اس مضمون کے ذریعے اسے منظر عام پر لانے کی کوشش کی ہے کہ شاید یہ حقیری کوشش قوم مسلم کے دل ودماغ پر طاری علمی و فکری جمود میں کوئی حرکت لا سکے۔ گو علماء نے علم کی فضیلت پر بہت کچھ لکھا ہے لیکن احقر نے اس بات کی ضرورت محسوس کی کہ علم کی فضیلت کو قرآن کریم کی روشنی میں پیش کیا جائے اس لئے اپنے اس مطالعے میں خود کو حتی الوسع قرآن کریم تک ہی محدود رکھا ہے۔ آیئے آپ بھی ملاحظہ کیجئے کہ قرآن کریم کے مطالعے سے علم کی کیا فضیلت معلوم ہوتی ہے؟

۱۔ علم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے :علم کی فضیلت کو بیان کرنے کے سلسلے میں جتنی بھی باتیں کہی جاسکتی ہیں ان میں سب سے اہم بندہ عاجز کے نزدیک یہ ہے کہ علم اللہ تعالیٰ کی صفتوں میں سے ایک ہے اور یہ وہ صفت ہے جس کی وضاحت قرآن کریم نے صفت ربوبیت کے بعد سب سے زیادہ تاکید سے کی ہے اور اس کے تعلق سے کئی اسمائے حسنیٰ کا بھی ذکر کیا ہے۔ مثلاً کہیں اس نے اللہ کو 'اَلْعَالِمُ' (سب کچھ جاننے والا، پوری طرح واقف) کہا ہے تو کہیں 'اَلْعَلِیْمُ' (بہت جاننے والا، ہر چیز کا علم رکھنے والا)، کہیں 'اَلْعَلَّامُ' (جاننے والا)، تو کہیں 'اَلْخَبِیْرُ' (باخبر)، کہیں 'اَلْحَکِیْمُ' (حکمت والا) تو کہیں 'اَلشَّھِیْدُ' (ہر چیز پر نگاہ رکھنے والا، گواہ)، کہیں 'اَللَّطِیْفُ' (باریک بیں) تو کہیں 'اَلسَّمِیْعُ' (بہت سننے والا) اور 'اَلْبَصِیْرُ' (بہت دیکھنے والا) کہا ہے۔

ان میں سے ہر ایک اسم اللہ تعالیٰ کی صفت علم کے ایک خاص رخ کو ہی واضح

کرتا ہے۔قرآن کریم پر نگاہ عمیق رکھنے والے علماء یہ بتاتے ہیں کہ کتاب اللہ میں صفات الٰہیہ کا بار بار بیان اوران کے تعلق سے اسماء حسنیٰ کا ذکر صرف اس حکمت کے پیش نظر ہے کہ بندہ ان صفات میں غور وفکر کرے، انہیں سمجھے اوراپنے اندر جذب کرے تا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی صحیح معرفت اسے حاصل ہو، پھران صفات کواپنی ذات میں پیدا کرنے کی حتی المقدور کوشش کرے تا کہ ان صفات کے حصول کے بعداس کی ذات انوارالٰہیہ کا پرتو ہوجائے، ساتھ ہی ان کے تقاضوں کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالنے کی کوشش کرے جس سے اس کی زندگی اسلامی اخلاق واقدار کا پیکر بنے۔مثلاً گزشتہ صدی کے ایک اہم مفسر قرآن اوراسلام کے ایک عظیم داعی شیخ قطب مصریؒ (۱۹۰۶-۱۹۶۶ء) سورۃ الحشر کی آیت نمبر۲۴ کی تفسیر میں یوں رقمطراز ہیں:''یہ اسمائے حسنیٰ انسانوں کے دلوں پر حسن کے فیوض کرتے ہیں۔ان پرغور وتدبر کر کےاوران صفات کواپنے اندر پیدا کر کےاوران سے ہدایت لے کرانسان کمال حاصل کرسکتا ہے کیونکہ اللہ ان صفات کے ساتھ متصف ہونا پسند کرتا ہے،تو یہ پسندیدہ صفات ہیں،اوصاف حمیدہ ہیں۔لہٰذاانسان کوان درجات میں بلندہوتے رہنا چاہیے۔''۔(فی ظلال القرآن اردو،ادارہ منشورات اسلامی،لاہور، سنہ اشاعت ۱۹۹۷ء،جلد۶ ،صفحہ ۳۱۳)۔

غورکریں تورسول پاک ﷺ کےارشاد ''إِنَّ لِلّٰهِ تِسْعَةً وَ تِسْعِيْنَ اِسْمًا، مِائَةً إِلَّا وَاحِدًا، مَنْ أَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ'' یعنی''بلاشبہ اللہ تعالیٰ کےنانوے، ایک کم سو،نام ہیں،جس نے ان کا احصا کیا وہ جنت میں داخل ہوگا۔'' (صحیح مسلم، كِتَابُ الذِّكْرِ وَ الدُّعَآءِ وَالتَّوبَةِ وَالْاِسْتِغْفَارِ، باب فِي أَسْمَاءِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَ

فَضْلِ مَنْ أَحْصَاهَا، بروایت ابو ہریرہؓ) میں لفظ 'احصاھا' کے استعمال میں بھی اس کی طرف واضح اشارہ موجود ہے لیکن اکثر شارحین حدیث نے انھیں حفظ اور یاد کرنے تک ہی محدود کر دیا اور اسے ہی اتنی بڑی فضیلت کو حاصل کرنے کے لئے کافی سمجھا لیکن دیکھئے حجۃ الاسلام والمسلمین امام ابو حامد محمد غزالیؒ (۱۰۵۸-۱۱۱۱ء) کیا لکھتے ہیں؟: ''تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ جو شخص اسمائے باری تعالیٰ کے معانی سے صرف اسی قدر بہرہ یاب ہے کہ ان کو الفاظ کی حیثیت سے سنتا ہے، لغات کی کتابوں میں ان کی تفسیر پڑھتا ہے اور دل سے اعتقاد رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میں ان کے معانی موجود ہیں تو سمجھو وہ نہایت ہی کم نصیب اور کم رتبہ کا شخص ہے جس کے اس سرمایہ کے نسبت یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ اس کی اصلی کامیابی کا باعث ہو سکے''۔ (شرح اسماء الحسنیٰ از امام محمد الغزالیؒ مع اسم اعظم از علامہ ابو بکر جلال الدین سیوطیؒ مترجم علامہ عبدالاحد قادری، زاویہ پبلشرز، لاہور، سنہ اشاعت ۲۰۰۷ء، صفحہ ۵۰)۔

یعنی امام غزالیؒ کے نزدیک اسمائے حسنیٰ کو سمجھنا، ان کا پڑھنا یا سننا اور اللہ تعالیٰ کی ان صفات پر جن کے ساتھ یہ اسمائے حسنیٰ منسوب ہیں اعتقاد رکھنا بھی حقیقی کامیابی کے لئے کافی نہیں چہ جائیکہ ان کے الفاظ کو حفظ کر لینا اور ورد کرتے رہنا کافی سمجھا جائے۔ وہ آگے لکھتے ہیں: ''اسمائے باری تعالیٰ میں مقربین کا حصہ تین امور ہیں: (۱) ان اسماء کے معانی کو مکاشفہ اور مشاہدہ کے طور پر سمجھنا تاکہ ایسی دلیل کے ساتھ ان کے حقائق معلوم ہو جائیں جس میں خطا ممکن نہ ہو۔ اور ان صفات سے اللہ تعالیٰ کا موصوف ہونا ان پر اس طرح منکشف ہو جائے جس طرح انسان کو اپنی صفات کے متعلق یقین

ہو جاتا ہے جو اس کو احساس ظاہر سے نہیں بلکہ مشاہدہ باطن سے حاصل ہوتا ہے۔۔۔۔ (۲) مقربین کا اس کی صفات جلال کو اس عظمت کی نگاہ سے دیکھنا جس سے ان کو خود ان صفات سے حتی الامکان متصف ہونے کا شوق پیدا ہو جائے تا کہ وہ اس ذریعہ سے نہ صرف بالا مکان بلکہ بالصفت اللہ تعالیٰ کے قریب ہو جائیں اور اس اتصاف کے ساتھ ملائکہ مقربین سے مشابہت پیدا کرلیں۔ اور جب کسی صفت کی عظمت دل میں سما جاتی ہے تو اس کے لئے لازم ہے کہ اس صفت کا شوق اور اس جمال وجلال کا عشق اور اس وصف سے اپنے باطن کو آراستہ کرنے کی خواہش پیدا ہو۔ اگر یہ سعادت کامل طور پر حاصل ہونی ممکن ہو تو کامل طور پر ورنہ بقدر امکان ضرور شوق پیدا ہو۔ اور اس شوق سے خالی ہونے کے دو ہی باعث ہو سکتے ہیں؛ یا تو اس وصف کے اوصاف جلال وکمال میں سے ہونے کا پورا پورا یقین نہ ہو یا دل کسی دوسرے شوق میں ڈوبا ہوا ہو۔۔۔۔۔ (۳) مقربین کا تیسرا حصہ یہ ہے کہ کسی ممکن حد تک ان صفات کو حاصل کریں اور ان کی خوبیوں سے اپنی باطنی حالت کو آراستہ کریں جس سے بندہ ربانی یعنی رب کا مقرب بن جاتا ہے کیونکہ ان صفات کی بدولت وہ فرشتگان ملائے اعلیٰ کا رفیق ہو جاتا ہے جو مقربان درگاہ الٰہی ہیں۔ پس جو شخص ان صفات کے ساتھ کچھ نہ کچھ مشابہت پیدا کر لیتا ہے وہ اس مشابہت کی مقدار کے موافق اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر لیتا ہے''۔

(حوالہ بالا، صفحہ ۵۱-۵۲)۔

اس لئے علم کی جستجو میں لگنا ایسا ہے گویا اللہ تعالیٰ کی اس صفت کے کسی گوشہ کے حصول کی کوشش کرنا یا اسے اپنے اندر پیدا کرنے کی مشق کرنا جو یقیناً بقدر حصول بلندی

درجات اور قرب الٰہی کا موجب ہوگا۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ اس دنیا میں علم وحکمت کا جتنا حصہ بھی موجود ہے اس کا حقیقی منبع اور سرچشمہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی کی ذات ہے۔ فرشتوں کا اعتراف ﴿لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا﴾ (ہمیں کوئی علم نہیں سوائے اس کے جو تو نے ہمیں سکھادیا) (البقرۃ: ۳۲) اور رسول پاک ﷺ کا فرمان "اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ يُعْطِيْ" (میں تو محض تقسیم کرنے والا ہوں، عطا کرنے والا تو اللہ ہی ہے) (صحیح بخاری، کتاب العلم، بابُ مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ، بروایت معاویہ بن سفیانؓ) اس بات پر شاہد ہے۔ اس لئے علم کے فروغ اور اس کی ترویج و اشاعت کی کوشش میں لگنا روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کے علم وحکمت کی ترجمانی کرنے کے مترادف ہے اور اس سے بڑی علم کی کوئی اور فضیلت نہیں ہو سکتی۔

۲. آدمؑ کو سب سے پہلے علم سے ہی نوازا گیا: علم کی فضیلت اور انسان کی زندگی میں اس کی اہمیت کو یوں بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے پہلے انسان آدم علیہ السلام کو خلافت فی الارض کے مقصد سے پیدا فرمایا تو ان کو سب سے پہلے علم کی دولت سے ہی نوازا حالانکہ وہ اس وقت تک زمین پر وارد بھی نہیں ہوئے تھے اور علم ہی کی بنیاد پر انھیں فرشتوں پر فضیلت بخشی، چنانچہ ارشاد ربانی ہے: ﴿وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِئُوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝ قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ

تَکْتُمُوْنَ ہ ﴾۔(مفہوم):''اور سکھادئے اس (اللہ) نے آدم کو تمام اشیاء کے نام، پھر پیش کیا انہیں فرشتوں کے سامنے اور فرمایا بتاؤ تو مجھے نام ان چیزوں کے اگر تم سچے ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہر عیب سے پاک تو ہی ہے، کچھ علم نہیں ہمیں مگر جتنا تو نے ہمیں سکھا دیا۔ بے شک تو ہی علم وحکمت والا ہے۔فرمایا(اللہ تعالیٰ نے کہ) اے آدم! بتادو انہیں ان چیزوں کے نام، پھر جب بتادئے انہوں نے ان کے نام ان کو تو (فرشتوں سے) فرمایا کیا نہیں کہا تھا میں نے تمھیں کہ میں خوب جانتا ہوں سب چھپی ہوئی چیزیں آسمانوں اور زمین کی اور میں جانتا ہوں جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو''۔ (البقرة:۳۱-۳۳)۔

مفسرین کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو کائنات کی تمام اشیاء کے نام مع ان کے آثار وخواص کے عطا فرمائے تھے اور یہی بحیثیت انسان اور بحیثیت خلیفة اللہ فرشتوں پر ان کی فضیلت کا باعث ہوا۔ اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ علم خواہ اشیاء کا ہی کیوں نہ ہو جسے عام طور پر فن اور ہنر کا نام دیا جاتا ہے بہر حال فضیلت کا باعث ہے۔ پھر جب آدم علیہ السلام کو شیطان نے لغزش دیدی جس کا واقعہ مشہور ومعروف ہے اور اللہ پاک نے ان کو مع حضرت حوا کے زمین پر اتر جانے کا حکم دیا تو یوں ارشاد فرمایا: ﴿قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ہ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴾۔(مفہوم):''ہم نے کہا کہ تم سب یہاں سے اتر جاؤ پھر جب پہنچے تمھارے پاس میری طرف سے کسی قسم کی ہدایت تو جو لوگ پیروی

کریں گے میری ہدایت کی تو نہ کچھ خوف ہوگا ان پر اور نہ ایسے لوگ غمگین ہوں گے اور جو لوگ کفر کریں گے اور تکذیب کریں گے ہماری آیتوں کی تو وہ لوگ ہوں گے دوزخ والے، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے‘‘۔(البقرۃ: ۳۸-۳۹)۔

یہ آیت کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ زمین پر انسان کی زندگی کا آغاز جہالت کی تاریکی میں نہیں بلکہ علم کی روشنی میں ہوا یعنی یہ اوّلین انسان حضرت آدمؑ اور حضرت حوا اس بنیادی حقیقت سے واقف تھے کہ ان کی سعادت ہدایت الٰہیہ کی پیروی میں ہے اور ان کی شقاوت اطاعت خداوندی سے روگردانی میں ہے۔ پھر جب وہ زمین پر اتار دیئے گئے اس وقت بھی اللہ نے انھیں چند کلمات کی تعلیم دی اور وہی کلمات ان کی توبہ کا سبب بنے، فرمایا:﴿فَتَلَقّٰۤی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ﴾۔(ترجمہ): ’’پھر سیکھ لیے آدمؑ نے اپنے رب سے چند کلمے اور اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی‘‘۔ (البقرۃ: ۳۷)۔اس واقعے سے یہ نتیجہ اخذ کرنا بھی دشوار نہیں کہ اللہ کو راضی کرنے اور راضی رکھنے کے لئے بھی ربّانی علوم کی ضرورت ہے جن سے انسان کبھی بھی مستغنی نہیں ہوسکتا۔

۳. علم و حکمت سے تمام انبیاء کرام نوازے گئے: علم و حکمت ایک ایسی دولت ہے جس سے اللہ پاک نے اپنے تمام نبیوں کو سرفراز فرمایا ہے چنانچہ سورۃ الانعام میں آیت نمبر ۸۳ سے ۸۸ تک اٹھارہ انبیاء کرام کے اسماء گرامی ذکر کر کے ۸۹ ویں آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ﴾ یعنی یہ لوگ ایسے تھے کہ ہم نے ان کو کتاب اور حکمت اور نبوت عطا کی تھی۔اسی

طرح سورۃ الحدید آیت ۲۵ میں ارشاد فرمایا: ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ ۔(ترجمہ): "یقیناً ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی دلیلیں دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل فرمایا تاکہ لوگ عدل پر قائم رہیں"۔ بعض انبیاء پر علم و حکمت کی جو خصوصی نوازشیں ہوئی ہیں ان کو انفرادی طور پر الگ سے بھی ذکر فرمایا۔ مثلاً ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: ﴿وَ كَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ﴾ ۔یعنی "ہم نے ایسے ہی طور پر ابراہیم کو زمین و آسمان کی مخلوقات دکھلائیں اور تاکہ وہ کامل یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں"۔ (الانعام: ۷۵)۔ مطلب یہ ہے کہ عرش سے لے کر اسفل ارض تک کی مخلوقات کا مکاشفہ و مشاہدہ کرایا۔ دوسری جگہ فرمایا: ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَ كُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ﴾ ۔ترجمہ: "یقیناً ہم نے اس سے پہلے ابراہیم کو اس کی سمجھ بوجھ بخشی تھی اور ہم اس کے احوال سے بخوبی واقف تھے"۔ (الانبیآء: ۵۱)۔ اسی طرح لوطؑ کے بارے میں فرمایا: ﴿وَ لُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا﴾ ۔(ترجمہ): "ہم نے لوطؑ کو بھی حکم اور علم عطا کیا"۔ (الانبیآء: ۷۴)۔ داؤدؑ اور سلیمانؑ کے بارے میں فرمایا: ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَ سُلَيْمٰنَ عِلْمًا وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ہ وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَ اُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ﴾ ۔ (ترجمہ): "اور ہم نے یقیناً داؤدؑ اور سلیمانؑ کو علم دے رکھا تھا اور دونوں نے کہا، تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے ہمیں اپنے بہت سے مومن بندوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔ اور داؤدؑ کے وارث سلیمانؑ ہوئے اور کہنے لگے کہ اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی

سکھائی گئی ہے اور ہمیں ہر قسم کی چیز عنایت فرمائی گئی ہے، بے شک یہ (اللہ کا) بالکل کھلا ہوا فضل ہے''۔ (النمل: ۱۵-۱۶)۔ یہاں علم سے مراد نبوت کے علم کے علاوہ وہ علم بھی ہے جن سے حضرات داؤدؑ اور سلیمانؑ کو خاص طور سے نوازا گیا جیسے داؤدؑ کو لوہے کی صنعت کا علم اور حضرت سلیمانؑ کو جانوروں کی بولیوں کا علم وغیرہ۔ اس کے علاوہ ان دونوں باپ بیٹوں کو اور بھی بہت کچھ عطا کیا گیا تھا، لیکن یہاں بطور احسان صرف علم کا ذکر کیا گیا جو دوسرے مومن بندوں پر ان کی فضیلت کا باعث تھا جس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ علم اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے۔

اسی طرح یوسفؑ کے بارے میں فرمایا: ﴿وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗٓ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا وَ كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ﴾۔ (ترجمہ): ''اور جب (یوسفؑ) پختگی کی عمر کو پہنچ گئے تو ہم نے اسے قوت فیصلہ اور علم دیا، ہم نیکوکاروں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں''۔ (یوسف: ۲۲)۔ موسیٰؑ کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰٓى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا وَ كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ﴾۔ (ترجمہ): ''اور جب (موسیٰؑ) اپنی جوانی کو پہنچ گئے اور پورے توانا ہو گئے تو ہم نے انھیں حکمت و علم عطا فرمایا، نیکی کرنے والوں کو ہم اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں''۔ (القصص: ۱۴)۔ عیسیٰؑ کے تعلق سے فرمایا: ﴿اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِىْ عَلَيْكَ وَ عَلٰى وَالِدَتِكَ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الْمَهْدِ وَ كَهْلًا وَ اِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ﴾۔ (ترجمہ): ''جب کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ اے عیسیٰ بن مریم! میرا

انعام یاد کرو جو تم پر اور تمھاری والدہ پر ہوا جب میں نے تم کو روح القدس سے تائید دی، تم لوگوں سے کلام کرتے تھے گود میں بھی اور بڑی عمر میں بھی اور جب کہ میں نے تم کو کتاب اور حکمت کی باتیں اور تورات وانجیل کی تعلیم دی''۔ (المآئدہ: ۱۱۰)۔

ان آیات پر غور کرنے سے کئی باتیں واضح ہوتی ہیں۔ اول یہ کہ علم وحکمت انبیاء کرام کی مشترکہ دولت ہے، اسی لئے جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''إِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ، إِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِينَارًا وَ لَا دِرْهَمًا، إِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ، فَمَنْ أَخَذَ بِهِ أَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ'' یعنی'' بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں، اور بے شک انبیاء نے کسی کو دینار و درہم کا وارث نہیں بنایا بلکہ انہوں نے علم کا وارث بنایا ہے، اس لئے جس نے اسے حاصل کیا، اس نے (انبیاء کی وراثت) سے بہت سارا حصہ حاصل کرلیا''۔ (سنن ترمذی، کتاب العلم، باب ماجاء في فضل الفقه على العبادة، بروایت ابوالدرداءؓ)۔ دوئم یہ کہ علم اللہ کی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت ہے، اگر اس سے بڑی کوئی اور نعمت ہوتی تو اللہ پاک اپنے منتخب بندوں کو اس سے نوازتا اور اس کا خصوصی ذکر بھی کرتا۔ سوئم یہ کہ علم متقین کا زیور ہے، اللہ پاک حقیقی علم سے اپنے نیک اور صالح بندوں کو ہی نوازتا ہے اور چہارم یہ کہ انسانوں میں فضیلت کا ایک اہم میعار علم ہے جیسا کہ داوٗدؑ اور سلیمانؑ کے اقوال سے مترشح ہے۔

۴۔ رسول پاکؐ پر نزول کتاب اور علم و حکمت کا فیضان :

مذکورہ بالا سطور میں راقم انبیاء کرام پر منجانب اللہ ہوئی علمی نوازشوں کا ذکر کر چکا ہے لیکن نبی کریم ﷺ کا خصوصی مقام اس بات کا متقاضی ہے کہ اللہ رب العزت کی طرف سے

آپؐ پر کئے گئے علمی احسانات کا الگ سے تذکرہ ہو، لہٰذا آیئے دیکھیں کہ رسول پاک ﷺ پر اللہ تعالیٰ کے جو علمی احسانات ہوئے ہیں ان کا تذکرہ قرآن کریم نے کن الفاظ میں کیا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے: ﴿وَ كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَ لَا الْاِيْمَانُ وَ لٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا وَ اِنَّكَ لَتَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ ۔(ترجمہ): ''اور اسی طرح وحی کی ہم نے آپ کی طرف روح کو اپنے حکم سے، (قبل اس کے) آپ یہ نہ جانتے تھے کہ کتاب کیا چیز ہے اور نہ یہ کہ ایمان کیا ہے؟ لیکن ہم نے اسے (یعنی قرآن کو) نور بنایا، اس کے ذریعہ سے اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں، اور بے شک آپ راہ راست کی رہنمائی کر رہے ہیں''۔ (الشوریٰ: ۵۲)۔ یہاں روح سے مراد قرآن کریم ہے جیسا کہ سیاق سے بھی ظاہر ہے اور یہی امام ابن منذر اور ابن ابی حاتم رحمہم اللہ نے عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کیا ہے (تفسیر درمنثور از امام جلال الدین السیوطیؒ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۶ء، جلد ۵، صفحہ ۱۰۵۹) اور صاحب تفسیر مظہری نے کلبی اور مالک بن دینار رحمہم اللہ سے بھی یہی نقل کیا ہے (تفسیر مظہری (اردو) از علامہ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتیؒ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۲ء، جلد ۸، صفحہ ۴۴۲)۔ دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَ مَا كُنْتَ تَرْجُوْۤا اَنْ يُّلْقٰۤى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ﴾ یعنی ''آپ تو اس کی امید نہ رکھتے تھے کہ آپ کی طرف کتاب نازل فرمائی جائے گی لیکن آپ کے رب کی مہربانی سے (یہ کتاب اتاری گئی)''۔ (القصص: ۸۶)۔ ایک جگہ فرمایا: ﴿وَ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا﴾ (ترجمہ): ''اللہ تعالیٰ نے آپ پر

کتاب وحکمت اتاری ہے اور آپ کو وہ سکھایا ہے جسے آپ نہ جانتے تھے اور اللہ کا آپ پر بڑا بھاری فضل ہے''۔(النسآء: ۱۱۳)۔

ان تمام آیات سے یہ واضح ہے کہ کتاب وحکمت نازل فرما کر اور احکام شریعہ کا علم دے کر جن سے پہلے آپ بے خبر تھے اور جن کی قبل از ابتدائے نزول وحی آپ کو توقع بھی نہ تھی، اللہ نے آپ پر بڑا فضل واحسان کا معاملہ فرمایا۔ اب یہ امر غور طلب ہے کہ اللہ رب العزت اپنے حبیب کو جن چیزوں کے عطا کرنے پر احسان جتا رہا ہے، کیا وہ کوئی معمولی چیز ہوگی؟ یقیناً نہیں اور یقیناً اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی کوئی قدر و قیمت ہوگی کیوں کہ عام اصول ہے کہ اپنوں کو معمولی چیزوں کے عطا کرنے پر احسان نہیں جتایا جاتا۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ کتاب اور علم وحکمت کی شکل میں نبی کریم ﷺ پر اللہ کے جو انعامات ہوئے وہ درحقیقت اس امت پر ہی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے انعامات ہیں کیوں کہ ان سب کا مقصد امت کی تعلیم اور اصلاح ہی تھا جیسا کہ ﴿يُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ﴾ (ترجمہ: ''اور وہ تمہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں اور تمہیں ایسی باتیں سکھاتے ہیں جنہیں تم نہیں جانتے تھے)۔ (البقرۃ: ۱۵۱) سے مستفاد ہے۔ اس طرح علوم نبوی کے حصول کی کوشش نہ کرنا، اس سے بے اعتنائی برتنا اور اس سے استفادے کی صورت اختیار نہ کرنا اس عظیم نعمت کی ناقدری ہے جس کا نزول بہ فضل ربی رسول پاک ﷺ پر ہوا ہے۔ اس لئے ایک مومن جو خود کو نبی مکرم ﷺ کا امتی کہنے میں فخر محسوس کرتا ہے، کو چاہیے کہ آپؐ پر اللہ رب العزت کی طرف سے علم وحکمت کا جو فیضان ہوا ہے، اس کی طلب اور اس سے استفادہ کرنے کی

ہر ممکن کوشش کرے اور اس سلسلے میں کسی قسم کی کوتاہی نہ برتے۔

۵. رسول پاک ﷺ کو زیادتی علم کے لئے دعا کرنے کا حکم: علم کی فضیلت واہمیت اس بات سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ اللہ رب العزت نے رسول پاک ﷺ کو زیادتی علم کے لئے دعاء کرنے کا حکم فرمایا۔ ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَ قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا﴾۔ (ترجمہ): ''اور یہ کہا کیجئے کہ اے میرے پروردگار! مجھے اور زیادہ علم عطا فرما''۔ (طـــــہ: ۱۱۴)۔ چنانچہ رسول پاک ﷺ تعمیل ارشاد میں علم میں اضافے کے لئے دعا فرمایا کرتے تھے۔ ایسی ہی ایک دعا ابن ماجہ نے ان الفاظ میں روایت کی ہے: ''اَللّٰھُمَّ انْفَعْنِي بِمَا عَلَّمْتَنِي، وَ عَلِّمْنِي مَا يَنْفَعُنِي، وَزِدْنِي عِلْمًا''۔ (ترجمہ): ''اے اللہ! نفع بخش بنادیجئے میرے لئے اس چیز کو جو آپ نے مجھے سکھایا ہے اور مجھے (مزید) وہ چیز سکھا دیجئے جو کہ نفع دے مجھ کو اور میرے علم میں اضافہ فرما دیجئے''۔ (سنن ابن ماجہ، کتَابُ الدُّعَاءِ، بَابُ دُعَاءِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ، بروایت ابوہریرہؓ)۔

یہ غور وفکر کرنے کی بات ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ علم ونبوت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں، براہ راست اللہ تعالیٰ کی رہنمائی میں ہیں اور وحی الٰہی کا سلسلہ بھی جاری ہے باوجود ان سب کے آپؐ کو علم میں زیادتی کی دعا کا حکم ہو رہا ہے اور آپؐ دعا بھی فرما رہے ہیں، کیا یہ سب اس نتیجہ فکر کی تائید میں نہیں ہے کہ راہ علم میں لفظ 'استغنا' کا کوئی تصور نہیں۔ یہاں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ علم نافع کی طلب اور موجودہ علم سے سیر نہ ہونا گویا ایک نبوی خصلت ہے جو یقیناً اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ بھی ہوگی۔ اس

حدیث میں علماءِ امت کے لئے بھی نصیحت ہے کہ وہ علم کی کسی مقدار پر بھی قانع نہ ہوں اور اس میں اضافے کی صورتیں اختیار کرنے میں کوئی کوتاہی نہ کریں، نیز اس راہ میں ہر دم اللہ کی طرف لو لگائے رکھیں اور اس سے نفع بخش علم کی زیادتی کے لئے استدعا بھی کرتے رہیں چہ جائیکہ ایک ادنیٰ امتی جو زندگی کے ہر موڑ پر، ہر آن اپنی ہدایت کے لئے علوم نبوت کا محتاج ہو پھر اسے راہ طلب علم میں تساہلی کیوں کر زیب دے سکتی ہے؟

۲ . قرآن کریم کی ابتدائی آیتوں میں پڑھنے کا حکم اور علم و قلم کا تذکرہ : جمہور علمائے سلف و خلف کا اس پر اتفاق ہے کہ نزول قرآن کا آغاز سورہ علق کی ابتدائی پانچ آیتوں سے ہوا ہے۔ آیتیں یہ ہیں: ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ہ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ہ اِقْرَاْ وَ رَبُّکَ الْاَکْرَمُ ہ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ہ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ ہ﴾۔ (ترجمہ): ''پڑھیے (اے نبیؐ) اپنے رب کے نام سے جس نے (سب کو) پیدا کیا، پیدا کیا انسان کو جمے ہوئے خون سے، پڑھیے اور آپ کا رب بڑا کریم ہے، جس نے علم سکھایا قلم کے ذریعے، انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا''۔ (العلق: ۱-۵)۔ ذرا ان آیات پر غور کیجئے۔ قرآن کریم کا پہلا لفظ ہی ''اِقْرَاْ'' ہے جو قرأت سے امر کا صیغہ ہے جس کا مطلب ہے 'پڑھیے' یعنی رسول پاک کو پہلی ہی آیت میں پڑھنے کا حکم ملا۔ پھر اسی لفظ کو تیسری آیت میں مکرر لایا گیا ہے جس سے غالباً حکم میں تاکید مراد ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ان پانچ آیات میں اللہ کا یہ واحد حکم ہے، علاوہ اس کے یا تو ان میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا بیان ہے یا انسان پر اس کے احسانات کا۔ اب یہ امر بحث کا موضوع ہے کہ رسول پاک کو کیا پڑھنے کا حکم ہوا؟

قاضی ثناءاللہ صاحب پانی پتیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں اقرأ کا مفعول بہ محذوف ہے
جو بقول ان کے القرآن ہے (تفسیر مظہری، جلد ۱۰، صفحہ ۳۶۸)، مطلب یہ ہے کہ اپنے
رب کے نام سے آغاز کرتے ہوئے اور اس سے برکت حاصل کرتے ہوئے قرآن کو
پڑھیے۔ پھر قاضی ثناءاللہ صاحب پانی پتیؒ علامہ طیبیؒ کا یہ قول بھی نقل کرتے ہیں کہ یہ امر
ہے، اس میں صرف قرأت کا حکم ہے اور یہ کسی چیز کے ساتھ خاص نہیں، اس لئے مفعول
بہ کے بغیر یہ فعل الف لام جنسی کے قائم مقام ہے اور باسم ربک میں باء
استعانت کے لئے ہے (حوالہ بالا، صفحہ ۳۶۹)۔ اس طرح مفہوم یہ ہوگا کہ اے نبیؐ جو
کچھ بھی پڑھیے جس میں یہ اور آئندہ نازل ہونے والی قرآنی آیات بدرجہ اولیٰ شامل
ہیں، اللہ کے نام کے ساتھ پڑھا کیجئے یعنی تحصیل علم میں توکل بھی اللہ کی ذات پر ہو اور
اس کا مقصد بھی رضائے الٰہی ہو۔ اب اصل بات جس کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے یہ
ہے کہ نبی کو پہلی وحی میں نہ ہی عبادت کا حکم ملا جو انسان کی زندگی کا اصل مقصد ہے جیسا
کہ ارشاد ہے: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ﴾ (ترجمہ: ''اور نہیں
پیدا کیا میں نے جن و انسان کو مگر صرف اس لئے کہ وہ میری عبادت کریں'')۔
(الذّٰرِیٰت: ۵۶) اور نہ ہی دعوت و تبلیغ اور اصلاح خلق کا جو انبیاء کی بعثت کا اصل مقصد
ہے جیسا کہ آیت ﴿یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا ۙ وَّ
دَاعِیًا اِلَی اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا﴾ (ترجمہ: ''اے نبیؐ! بے شک ہم نے آپ
کو بھیجا ہے (بنا کر) گواہی دینے والا، اور خوشخبری دینے والا، اور ڈرانے والا، اور اللہ کی
طرف بلانے والا اس کے حکم سے، اور روشن چراغ'')۔ (الأحزاب: ۴۵-۴۶) سے
مستفاد ہے بلکہ حکم ملا تو پڑھنے کا اور یہ احکام علی الترتیب سورۃ المزمّل اور سورۃ

المُدَّثِر میں آئے جو بہ اتفاق علماء جمہور فترۂ وحی کے بعد نازل ہوئیں اور فترۂ وحی کی مدت بعض اہل علم کے مطابق پہلی وحی سے دو یا ڈھائی سال ہے جیسا کہ علامہ ابن کثیرؒ نے اپنی مشہور تصنیف البدایہ والنہایہ میں لکھا ہے۔ (البدایة و النهایة ، مكتبة المعارف ، بیروت ، ۱۹۹۱ء ، جلد ۳ ، صفحہ ۱۷)۔ اس سے دین میں علم کی اہمیت واضح ہوتی ہے اور یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ علم کی تحصیل عبادت اور دعوت پر مقدم ہے، اس لئے بھی کہ عبادت اور دعوت کے مکلّف ہونے کا احساس بھی علم کے ذریعے ہی پیدا ہوتا ہے اور ان دونوں کی حسن ادائی میں بھی علم کو خاص دخل ہے۔

اب ذرا اللہ سبحانہ تعالیٰ کے ان احسانات پر بھی غور کیجئے جن کا ذکر پہلی وحی میں ہوا ہے۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اس احسان کا ذکر کیا جو انسان کی تخلیق سے متعلق ہے یعنی خون کے لوتھڑے سے جو کبھی منی کی شکل میں تھا اور اس کی کوئی حقیقت نہ تھی اسے وجود بخشا اور مختلف مراحل سے گزار کر اسے معتدل، متناسب اور حسین وجمیل صورت والا انسان بنایا۔ اس کے بعد اللہ پاک نے جس احسان کا ذکر کیا ہے وہ علم ہے۔ اس سے یہ بات مترشح ہے کہ تخلیق کے بعد انسان پر اللہ رب العزت کا سب سے بڑا احسان اسے علم کی دولت سے نوازنا ہے اس لئے کہ اگر اس سے بڑا کوئی احسان ہوتا تو اللہ پاک اس کا ذکر یہاں فرماتے لیکن اللہ پاک نے تخلیق کے بعد علم کا ہی ذکر فرمایا کیوں کہ یہی وہ چیز ہے جو اسے دوسرے تمام حیوانات سے ممتاز اور تمام مخلوقات سے اشرف واعلیٰ بناتی ہے۔ اس میں بھی علم بالقلم کو پہلے ذکر فرمایا کیوں کہ قلم کے ذریعے تعلیم دوسری تمام تعلیمات سے مقدم ہے اور قلم کے ذریعے دی گئی تعلیم عام طور پر محفوظ رہتی

ہے اور نسلوں تک منتقل ہوتی رہتی ہے۔ امم سابقہ کی تاریخیں، اسلاف کے علمی کارنامے اور اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتابیں سب قلم کے ہی توسط سے محفوظ ہیں۔ اس کے علاوہ دنیا کے کاروبار چلانے میں بھی قلم کا خاص رول ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قلم سے اتنے منافع وابستہ ہیں کہ ان کا شمار اور احاطہ بھی اللہ کے سوا کوئی نہیں کرسکتا۔ اس کے بعد اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے انسان کو وہ علم دیا جس سے وہ پہلے ناواقف تھا۔ مطلب یہ کہ علم بالقلم ہی نہیں بلکہ ہر وہ علم، انسان جس کا حامل ہے، اللہ تعالیٰ ہی کا عطیہ ہے۔ یہاں یہ امر قابل غور ہے کہ انسان کے اوپر ایک ایسا دور بھی آتا ہے جب وہ ہر چیز سے نابلد ہوتا ہے، کچھ بھی نہیں جانتا، اس کیفیت کو قرآن کریم نے یوں بیان کیا ہے: ﴿وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِنْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا﴾ یعنی اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے بطن سے ایسی حالت میں نکالا کہ تم کچھ بھی نہ جانتے تھے۔ (النحل: ۷۸)۔ پھر اللہ پاک ہی اسے نشو ونما کے مختلف ادوار میں مختلف ذرائع سے علم سے نوازتا ہے۔ کبھی اسے وہبی تعلیم کے ذریعہ رہنمائی ملتی ہے تو کبھی زبانی تعلیم کے ذریعہ اور کبھی قلبی تعلیم کے ذریعہ، کبھی وہ عقل، مشاہدہ اور تجربات سے فائدہ اٹھاتا ہے تو کبھی وحی اور الہام سے مستفیض ہوتا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے لفظ مَالَمْ يَعْلَمْ کے ذریعہ ان تمام ذرائع سے حاصل شدہ علم کی طرف اشارہ فرمادیا تاکہ انسان علم و ہنر کو اپنا ذاتی کمالات نہ سمجھے بلکہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ تصور کرے۔

اب ذرا غور کیجئے کہ پہلی وحی ہے اور اس میں حکم مل رہا ہے تو پڑھنے کا اور احسان جتایا جارہا ہے تو علم سے نوازنے کا، کیا یہ باتیں دین میں علم کی اہمیت کو واضح نہیں کرتیں؟

۷. اللہ تعالیٰ کا حکم کہ اگر تم نہیں جانتے تو علم والوں سے پوچھ لو : اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿وَ مَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِیۡۤ اِلَیۡہِمۡ فَسۡـَٔلُوۡۤا اَہۡلَ الذِّکۡرِ اِنۡ کُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ﴾ ۔ (ترجمہ): ''اور نہیں بھیجے ہم نے آپ سے پہلے (پیغمبر) مگر صرف مرد، جن کی جانب ہم وحی اتارا کرتے تھے پس اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے دریافت کرلو''۔ (النحل: ۴۳)۔ یہ آیت کریمہ کفار و مشرکین کے اس شبہہ کے ازالہ کے سلسلے میں نازل ہوئی کہ ایک بشر اللہ کا رسول کیسے ہوسکتا ہے؟ اللہ پاک نے یہ بتانے کے بعد کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قبل بھی ہم نے جتنے رسول بھیجے وہ سب کے سب انسان (مرد) ہی تھے یہ فرمایا: ﴿فَسۡـَٔلُوۡۤا اَہۡلَ الذِّکۡرِ اِنۡ کُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ﴾ یعنی اس بات کو اگر تم نہیں جانتے یا تمھیں شک ہے تو اہل علم یعنی علمائے اہل کتاب جو سابقہ انبیاء اور ان کی تاریخ سے واقف ہیں، سے دریافت کرلو۔ آیت کریمہ کا یہی حصہ ہماری توجہ کا طالب ہے کیوں کہ اس میں بے علموں کو علم حاصل کرنے کی تاکید ہے جیسا کہ الفاظ کے عام ہونے سے معلوم ہوتا ہے اور مفسرین نے بھی اس سے یہی اخذ کیا ہے۔ مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں: ''آیت مذکورہ کا یہ جملہ ﴿فَسۡـَٔلُوۡۤا اَہۡلَ الذِّکۡرِ اِنۡ کُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ﴾ اس جگہ اگرچہ ایک خاص مضمون کے بارے میں آیا ہے مگر الفاظ عام ہیں جو تمام معاملات کو شامل ہیں، اس لئے قرآنی اسلوب کے اعتبار سے درحقیقت یہ اہم ضابطہ ہے جو عقلی بھی ہے اور نقلی بھی کہ جو لوگ احکام کو نہیں جانتے وہ جاننے والوں سے پوچھ کر عمل کریں، اور نہ جاننے والوں پر فرض ہے کہ جاننے والوں کے بتلانے پر عمل کریں''۔ (معارف القرآن، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، ۲۰۰۸ء، جلد ۵، صفحہ ۳۴۵)۔

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ فرماتے ہیں: ''اس آیت کریمہ میں دلیل ہے کہ جاہل لوگوں کو مسائل کے بارے میں علماء سے رجوع کرنا چاہیے اور یہ بھی دلیل ہے کہ اخبار علم کا فائدہ دیتی ہیں اگر مخبر ثقہ ہو جو معتمد علیہ ہو''۔ (تفسیر مظہری، جلد ۵، صفحہ ۴۰۸)۔

ایک اور جگہ اللہ پاک کا یوں ارشاد ہے: ﴿وَ اِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ وَ لَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰٓى اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ﴾ یعنی ''اور جب ان کے پاس کوئی امن کی خبر پہنچتی ہے یا خوف کی تو اسے مشہور کر دیتے ہیں اور اگر لوٹا دیتے اسے رسول کی طرف اور اولوالامر لوگوں کی طرف اپنی جماعت سے تو جان لیتے اس کو وہ لوگ جو نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں بات کا ان میں سے''۔ (النسآء: ۸۳)۔ اس آیت کا سبب نزول یہ تھا کہ منافقین نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں سے متعلق جھوٹی سچی مبالغہ آمیز خبریں پھیلا دیا کرتے تھے جنھیں بعض ضعیف العقل اور ناتجربہ کار مسلمان بھی ان کے مضمرات اور نتائج پر غور کیے بغیر آگے بڑھا دیتے تھے۔ ان میں بعض خبریں وہ ہوتی تھیں جن کے نتائج جنگی و حربی پہلو سے نہایت خطرناک ہو سکتے تھے۔ اس لئے مسلمانوں کو یہ ہدایت دی گئی وہ ہر خبر پر جو ان تک پہنچے یقین کر لینے اور اسے دوسروں تک پہنچانے سے بچیں بلکہ اسے فوراً رسول اللہ ﷺ اور اپنے اولوالامر ساتھیوں تک جو معاملات میں گہری بصیرت رکھتے تھے پہنچائیں تاکہ وہ لوگ اس کی حقیقت، اس کے مضمرات اور نتائج پر غور و فکر کریں اور پھر جس حد تک ضروری اور حکمت کے موافق سمجھیں عام لوگوں کو بتائیں۔

یہ آیت گو نبی کریم ﷺ کے زمانے کے خاص حالات کے تناظر میں نازل ہوئی لیکن اس میں ہر دور کے مسلمانوں کے لئے رہنمائی موجود ہے کہ وہ ہر خبر کو خواہ اس کا تعلق دشمنوں کی جنگی چال سے ہو یا مسائل حوادث سے اپنے اولوالامر اور ذی فہم لوگوں تک پہنچائیں اور پھر ان کی ہدایات کے مطابق ہی آگے کی راہ متعین کریں۔ اس طرح عام لوگ بہت سی بے بنیاد اور کچھ صحیح خبروں کی خلاف حکمت تشہیر سے بچ سکتے ہیں اور بہت سے ملی نقصانات کو ٹالا جا سکتا ہے۔ اب ان اولوالامر کی تعین کے سلسلے میں مفسرین کے دو مشہور اقوال ہیں۔ ایک قول کے مطابق اولوالامر سے مراد علماء اور فقہاء ہیں جیسا کہ حضرات عبداللہ بن عباسؓ، جابرؓ بن عبداللہ، مجاہدؒ، حسن بصریؒ، قتادہؒ، ابوالعالیہؒ، ابن ابی لیلیٰؒ وغیرہم کی رائے ہے جبکہ دوسرے قول کے مطابق اس سے مراد امراء اور حکام ہیں جیسا کہ ابوہریرہؓ، سدیؒ اور کچھ دوسرے مفسرین کی رائے ہے۔ مفتی شفیع صاحبؒ نے علامہ ابوبکر جصاص کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اولوالامر کا اطلاق ان دونوں گروہ پر ہوتا ہے اور دونوں قول کی تطبیق اس طرح کی ہے کہ فقہی تحقیقات اور مسائل جدیدہ کے حل میں علماء اور فقہاء کی طرف رجوع کیا جائے جبکہ انتظامی امور میں حکام اور امراء کی طرف۔ (معارف القرآن، جلد۲، صفحہ ۴۵۰-۴۵۲ اور صفحہ ۴۹۲-۴۹۴؛ تفسیر مظہری، جلد۲، صفحہ ۴۰۱-۴۰۲)۔ اس طرح اس آیت سے بھی علماء اور فقہاء کی فضیلت و برتری ثابت ہوتی ہے۔ امام غزالیؒ نے بھی اس آیت سے علم اور علماء کی فضیلت پر استدلال کیا ہے اور یہ لکھا ہے: "ردّ حكمه في الوقائع إلى استنباطهم، وألحقّ رتبتهم برتبة الأنبياء في كشف حكم الله"۔ (احياء علوم الدين، دار المنهاج للنّشر و التّوزيع المملكة العربية السعودية، جدة، ۲۰۱۱ء، المجلّد

الاوّل، صفحہ۲۱) یعنی باری تعالیٰ نے واقعات ومعاملات کے باب میں اپنے حکم کو علماء کے استنباط واجتہاد پر راجع فرمایا اور حکم الٰہی کے اظہار میں ان کے مرتبہ کو انبیاء کرام علیہم السلام کے درجے کے ساتھ ملایا ہے۔

مذکورہ نصوص اوران کی تفاسیر کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کرنا دشوار نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو یہ مطلوب ہے کہ اس کے بندوں کے اندر تحقیق کا جذبہ ہو اور یہی وہ جذبہ ہے جو تمام علمی سرگرمیوں کی روح ہے کیوں کہ تمام علوم کا احاطہ کرلینا ہر کسی کے لئے مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہے لیکن اگر کسی کے اندر تحقیق کا جذبہ ہو یعنی ہر عملی قدم اٹھانے سے پہلے وہ معتمد علماء اور فقہاء سے یہ معلوم کرلیا کرے کہ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کیا ہیں، تو ان شاء اللہ وہ کبھی بے راہ نہیں ہوگا اور طلب علم سے یہی مقصود بھی ہے کہ انسان راہ ہدایت کو پہچان لے۔

۸. قرآن کریم میں اعضائے حسی کو بروئے کار لانے کی ترغیب: اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت یہ بھی ہے کہ اس نے انسان کو ایسے آلات اور ذرائع سے مزین کیا ہے جن کے ذریعے وہ اپنی داخلی اور خارجی دنیا کا ادراک کرسکے اور نفع ونقصان کو سمجھتے ہوئے اپنے دنیوی اور اخروی تقاضوں کو پورا کرسکے۔ اس نے انسان کو آنکھ، کان، ناک، زبان اور جلد عطا فرمائے جن سے علی الترتیب قوت بصارت، سماعت، شامہ، ذائقہ اور لامسہ وابستہ ہیں۔ ان کے علاوہ اس نے انسان کو عقل کی اہم ادراکی خصوصیت سے نوازا ہے جس سے حیوانات کو محروم رکھا، جس کے ذریعہ انسان غور وفکر اور استدلال کرکے کسی چیز کی حقیقت تک پہنچتا ہے۔ اللہ

تعالیٰ نے اپنی کتاب میں علم کے ان قدرتی ذرائع میں خصوصیت سے کان، آنکھ اور دل کا تذکرہ کیا ہے اور ان کے صحیح استعمال کی ترغیب بھی دی ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِنْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَ الْاَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾۔ (ترجمہ): ''اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے بطن سے (ایسی حالت میں نکالا) کہ تم کچھ بھی نہ جانتے تھے، اسی نے تمھارے کان، آنکھیں اور دل بنائے تا کہ تم شکر گزاری کرو''۔ (النحل: ۷۸)۔ ان نعمتوں کی عملی شکر گزاری یہ ہے کہ انسان ان اعضاء اور ان سے وابستہ قوتوں کو اس طرح استعمال کرے جس سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ راضی ہو جائے۔ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ ان قوتوں کو بروئے کار لائے بغیر نہ ہی کوئی عقیدہ قائم کرے اور نہ ہی کوئی عمل اختیار کرے۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو اسے اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہ ہونا پڑے گا کیوں کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ان نعمتوں کی ناقدری کی۔ ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَ لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا﴾۔ (ترجمہ): ''جس بات کی تجھے خبر نہ ہو اس کے پیچھے مت پڑ کیونکہ کان، آنکھ اور دل ان میں سے ہر ایک سے پوچھ گچھ کی جانے والی ہے''۔ (بنی اسرآئیل: ۳۶)۔ نیز جو لوگ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کا حق ادا نہیں کرتے ان کی مذمت قرآن نے ان الفاظ میں کی ہے: ﴿وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَ لَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَ لَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ﴾۔ (ترجمہ): ''ہم نے بہت سے انسان دوزخ کے لئے پیدا کئے ہیں جن کے دل ایسے ہیں، جن سے نہیں

سمجھتے اور جن کی آنکھیں ایسی ہیں، جن سے نہیں دیکھتے اور جن کے کان ایسے ہیں جن سے نہیں سنتے۔ یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ یہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔ یہی لوگ غافل ہیں''۔ (الأعراف: ۱۷۹)۔یعنی ان کے دل تو ہیں لیکن وہ حق کے دلائل میں غور وفکر نہیں کرتے، ان کی آنکھیں تو ہیں لیکن ان سے حق کے روشن دلائل کو عبرت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے، ان کے کان تو ہیں لیکن ان سے آیات قرآنیہ اور مواعظ ونصائح کو غور سے نہیں سنتے اور ان کی اس فطرت نے انہیں جانوروں سے بھی بدتر بنا دیا ہے۔

اس آیت سے یہ بھی ظاہر ہے کہ علم وہدایت کے قدرتی ذرائع کو بروئے کار نہ لانے کی خصلت جہنمیوں کی صفت ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ جہنم میں جانے کی ایک بڑی وجہ علم کے ان ذرائع کا صحیح استعمال نہ کرنا ہے، جیسا کہ دوسری آیت میں ہے کہ یوم آخرت میں جہنمی اپنی اس کوتاہی پر اظہار افسوس بھی کریں گے: ﴿كُلَّمَآ أُلْقِيَ فِيهَا فَوْجٌ سَأَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ ۝ قَالُوا بَلَىٰ قَدْ جَآءَنَا نَذِيرٌ فَكَذَّبْنَا وَ قُلْنَا مَا نَزَّلَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا فِي ضَلَٰلٍ كَبِيرٍ ۝ وَ قَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيٓ أَصْحَٰبِ السَّعِيرِ﴾۔ (ترجمہ): ''اور جب بھی اس (جہنم) میں ان کی کوئی جماعت ڈالی جائے گی تو ان سے اس کے داروغہ پوچھیں گے کہ کیا تمھارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا؟ وہ جواب دیں گے کہ ہاں (کیوں نہیں) بے شک ہمارے پاس ڈرانے والا آیا تھا لیکن ہم نے اسے جھٹلایا اور ہم نے کہا کہ اللہ نے کچھ بھی نازل نہیں فرمایا، تم تو بہت بڑی گمراہی میں ہو اور کہیں گے کہ اگر ہم سنتے ہوتے یا سمجھتے ہوتے تو دوزخیوں میں شامل نہ ہوتے''۔ (الملک: ۸-۱۰)۔ اس

کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ دنیا میں حاسہ سماعت اور عقل سے محروم تھے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ان نعمتوں کا صحیح استعمال نہیں کیا جو ان کے لئے خسران کا موجب بنا۔

۹. قرآن اور غورو فکر کی تاکید : علم کی فضیلت اور اہمیت پر وہ آیات کریمہ بھی دلالت کرتی ہیں جن میں اللہ رب العزت اپنے بندوں کو اپنی قوت عقلیہ و فکریہ کو بروئے کار لانے کی خصوصیت سے تاکید کی ہے اور اسی تاکید کے پیش نظر اسے مستقل عنوان کے تحت ذکر کیا جارہا ہے۔ چنانچہ ان میں بعض آیات تو وہ ہیں جن میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی کتاب کے اندر غوروفکر کی دعوت دی ہے۔ جیسے ارشاد ہے: ﴿كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَ لِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ ۔(ترجمہ): ''یہ ایک بابرکت کتاب ہے جس کو ہم نے آپ پر اس واسطے نازل کیا ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور تاکہ اہل فہم اس سے نصیحت حاصل کریں''۔ (ص : ۲۹)۔ ایک جگہ قرآن میں غوروفکر نہ کرنے والوں کی یوں مذمت فرمائی ہے: ﴿اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا﴾ ۔(ترجمہ): ''کیا یہ لوگ قرآن میں غوروفکر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر قفل لگ رہے ہیں''۔ (محمد: ۲۴)۔ اس مضمون کی اور بھی آیات ہیں مثلاً البقرہ: ۲۱۹، النسآء: ۸۲ وغیرہ۔

غوروفکر سے متعلق دوسری قسم کی آیات وہ ہیں جن میں اللہ رب العزت نے کائنات، اس کے محکم نظام اور اس میں بکھری ہوئی اپنی مخلوقات میں غور کرنے کی ہدایت دی ہے۔ جیسے ارشاد ہے: ﴿اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ مَا

خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ﴾ ۔(ترجمہ):''کیا ان لوگوں نے غور نہیں کیا آسمان وزمین کے عالم میں اور دوسری چیزوں میں جو اللہ نے پیدا کی ہیں''۔(الاعراف: ۱۸۵)۔دوسری جگہ ارشاد ہے:﴿قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ۔(ترجمہ):''آپ کہہ دیجئے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے انھیں آنکھیں کھول کر دیکھو''۔(یونس: ۱۰۱)۔ایک جگہ یوں فرمایا ہے:﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ﴾ ۔(ترجمہ):''بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں، اور رات اور دن کے بدلتے رہنے میں، اور ان کشتیوں میں جو انسان کی نفع کی چیزیں لئے ہوئے سمندر میں چلتی پھرتی ہیں اور بارش کے اس پانی میں جسے اللہ آسمان سے برساتا ہے پھر اس کے ذریعہ مردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے اور اس میں ہر قسم کی جاندار مخلوق پھیلاتا ہے اور ہواؤں کی گردش میں اور بادل میں جو تابع فرمان ہو کر آسمان اور زمین کے درمیان معلق رہتے ہیں، نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل رکھتے ہیں''۔(البقرہ: ۱۶۴)۔اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیات ہیں مثلاً:الانعام: ۹۵ - ۹۹، النحل: ۱۰ - ۱۷، ۶۵ - ۶۹، ۷۸ - ۸۱، العنکبوت: ۲۰، یٰسین: ۳۲ - ۴۴، الغاشیہ: ۱۷ - ۲۰، فاطر: ۲۷ - ۲۸، الروم: ۱۹ - ۲۵ وغیرہ۔

ایک جگہ اللہ پاک نے ایسے بندوں کی تعریف کی ہے جو زمین وآسمان کی تخلیق اور کائنات کے دیگر اسرار ورموز پر غور کرتے ہیں اور انہیں کائنات کے خالق کی معرفت حاصل

ہوجاتی ہے: ﴿اِنَّ فِی خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ہ اَلَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَ یَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ہ﴾ ۔(ترجمہ): ''آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے بدلنے میں یقیناً عقلمندوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ (وہ ایسے لوگ ہیں) جو اللہ کا ذکر کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر لیٹے ہوئے کرتے ہیں اور آسمان و زمین کی پیدائش میں غور و فکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! آپ نے ان سب کی تخلیق بے فائدہ نہیں کی، آپ پاک ہیں (اس سے کہ عبث کام کریں)، ہمیں آگ کے عذاب سے بچا لیجئے''۔(آل عمران: ۱۹۰-۱۹۱)۔

تیسری قسم کی آیات وہ ہیں جن میں اللہ رب العزت نے انسان کو اپنی ذات میں غور و فکر کی دعوت دی ہے۔ ان میں بعض آیات ایسی بھی ہیں جن میں انفس و آفاق دونوں کا ہی تذکرہ ہے جیسے یہ آیت کریمہ: ﴿اَوَلَمْ یَتَفَكَّرُوْا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَ مَا بَیْنَهُمَاۤ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ اَجَلٍ مُّسَمًّی﴾ ۔ (ترجمہ): ''کیا انھوں نے کبھی اپنی ذات میں غور و فکر نہیں کیا کہ اللہ نے آسمانوں کو اور زمین کو اور ان ساری چیزوں کو جو ان کے درمیان ہیں حق کے ساتھ اور ایک وقت مقرر تک کے لئے ہی پیدا کیا ہے؟''۔(الروم: ۸)۔ ایک جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَ فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ﴾ ۔ (ترجمہ): ''عنقریب ہم ان کو اپنی نشانیاں آفاق عالم میں بھی دکھائیں گے اور خود ان کی

اپنی ذات میں بھی یہاں تک کہ ان پر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ یہ (قرآن) واقعی حق ہے"۔ (فصلت: ۵۳)۔ اور ایک جگہ انسان کو خود اپنی تخلیق پر غور کرنے کو یوں متوجہ فرمایا: ﴿فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ٥ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ٥ يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ٥﴾ ۔ (ترجمہ): "پھر انسان ذرا یہی دیکھ لے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے؟ اسے پیدا کیا گیا ہے اچھلتے پانی سے جو پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے"۔ (الطارق: ۵-۷)۔ اس کے علاوہ اور بھی آیات ہیں جیسے القیمہ: ۳۶ - ۳۹، الانفطار: ۶ - ۸، الزمر: ۵ - ۶، المؤمنون: ۱۲ - ۱۴، السجدہ: ۷ - ۹، الحج: ۵ - ۶، عبس: ۱۷ - ۲۰، المؤمن: ۶۷، الانسان: ۱ - ۲ جن میں باری تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کے مختلف مراحل کا تذکرہ کیا ہے تا کہ انسان ان میں غور کرے اور اللہ کی قدرت، اس کی خالقیت، صنعت اور حکمت کو پہچان سکے۔

چوتھی قسم کی آیات وہ ہیں جن میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انسان کو اپنے تشریعی احکام کی حکمتوں میں غور و فکر کی طرف متوجہ کیا ہے تا کہ وہ ان آیات و احکام کو اچھی طرح سمجھ کر صحیح طور پر اپنی عملی زندگی پر منطبق کرے۔ مثال کے طور پر اس آیت کو دیکھیں: ﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ اِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا وَ يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ﴾ ۔ (ترجمہ): "وہ پوچھتے ہیں آپ سے شراب اور جوئے کی بابت، آپ فرمایئے ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور کچھ فائدے بھی

ہیں لوگوں کے لئے اور ان کا گناہ ان کے فائدے سے بہت زیادہ ہے اور پوچھتے ہیں آپ سے کیا خرچ کریں؟ آپ فرمایئے جو ضرورت سے زیادہ ہو۔ اسی طرح صاف صاف بیان کرتا ہے اللہ تمھارے لئے اپنے احکام تا کہ تم غور وفکر کرو"۔ (البقرہ: ۲۱۹)۔ احکام قصاص کے بیان کے بعد فرمایا: ﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ ۔ (ترجمہ): "اے فہیم لوگو! (اس قانون) قصاص میں تمھارے لئے زندگی ہے، امید ہے کہ تم لوگ (اس قانون کی خلاف ورزی کرنے سے) پرہیز کروگے"۔ (البقرہ: ۱۷۹)۔ اسی طرح روزہ میں رخصت کے پہلو کو بیان کر کے فرمایا: ﴿وَ اَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ ۔ (ترجمہ): "لیکن تمھارے حق میں بہتر یہی ہے کہ روزہ رکھو اگر تم سمجھ رکھتے ہو"۔ (البقرہ: ۱۸۴)۔ نماز جمعہ کے سلسلے میں فرمایا: ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْآ اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ ۔ (ترجمہ): "اے ایمان لانے والو! جب اذان دی جائے نماز کے لئے جمعہ کے دن تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ پڑو اور خرید وفروخت چھوڑ دو، یہ تمھارے حق میں زیادہ بہتر ہے، اگر تم جانتے ہو"۔ (الجمعہ: ۹)۔ اس قبیل کی اور بھی آیات ہیں مثلاً البقرہ: ۱۸۵، ۲۳۰، ۲۴۰ - ۲۴۱، ۲۸۲، النساء: ۲۳ - ۲۶، المآئدہ: ۸۹، ۱۰۰، الانعام: ۱۱۹، العنکبوت: ۴۵، الحشر: ۷ وغیرہ لیکن سب کو یہاں نقل کرنا نہ ہی ممکن ہے نہ ضروری، اگر کوئی صاحب علم وتحقیق دیکھنا چاہیں تو رجوع کر سکتے ہیں۔

غور وفکر سے متعلق پانچویں قسم کی آیات وہ ہیں جن میں تاریخی مراحل میں

قوموں کے اندر جاری اللہ تعالیٰ کی سنت پر غور کرنے کی دعوت ملتی ہے۔ جیسے فرمایا: ﴿اَلَمۡ یَرَوۡا کَمۡ اَهۡلَکۡنَا مِنۡ قَبۡلِهِمۡ مِّنۡ قَرۡنٍ مَّکَّنّٰهُمۡ فِی الۡاَرۡضِ مَالَمۡ نُمَکِّنۡ لَّکُمۡ وَ اَرۡسَلۡنَا السَّمَآءَ عَلَیۡهِمۡ مِّدۡرَارًا وَّ جَعَلۡنَا الۡاَنۡهٰرَ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهِمۡ فَاَهۡلَکۡنٰهُمۡ بِذُنُوۡبِهِمۡ وَ اَنۡشَاۡنَا مِنۡ بَعۡدِهِمۡ قَرۡنًا اٰخَرِیۡنَ﴾ ۔(ترجمہ): ’’کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ ہم ان سے پہلے کتنی ایسی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں جن کو ہم نے دنیا میں ایسی قوت دی تھی کہ تم کو وہ قوت نہیں دی اور ہم نے ان پر خوب بارشیں برسائیں اور ہم نے ان کے نیچے نہریں جاری کیں۔ پھر ہم نے ان کو ان کے گناہوں کی پاداش میں ہلاک کرڈالا اور ان کے بعد دوسری قوموں کو پیدا کر دیا‘‘۔(الانعام:۶)۔ایک جگہ فرمایا: ﴿وَلَقَدۡ اَهۡلَکۡنَا الۡقُرُوۡنَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ لَمَّا ظَلَمُوۡا وَ جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ وَ مَا کَانُوۡا لِیُؤۡمِنُوۡا کَذٰلِکَ نَجۡزِی الۡقَوۡمَ الۡمُجۡرِمِیۡنَ ہ ثُمَّ جَعَلۡنٰکُمۡ خَلٰٓئِفَ فِی الۡاَرۡضِ مِنۡ بَعۡدِهِمۡ لِنَنۡظُرَ کَیۡفَ تَعۡمَلُوۡنَ﴾ ۔(ترجمہ): ’’اور ہم نے تم سے پہلے بہت سی قوموں کو ہلاک کر دیا جب کہ انہوں نے ظلم کی روش اختیار کی حالانکہ ان کے پاس ان کے پیغمبر بھی دلائل لے کر آئے، اور وہ ایسے کب تھے کہ ایمان لے آتے؟ ہم مجرم لوگوں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔ پھر ان کے بعد ہم نے دنیا میں بجائے ان کے تم کو جانشین کیا تا کہ ہم دیکھ لیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو‘‘۔(یونس: ۱۳-۱۴)۔ایک جگہ یوں ارشاد باری ہے: ﴿لَئِنۡ لَّمۡ یَنۡتَهِ الۡمُنٰفِقُوۡنَ وَ الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ وَّ الۡمُرۡجِفُوۡنَ فِی الۡمَدِیۡنَةِ لَنُغۡرِیَنَّکَ بِهِمۡ ثُمَّ لَا یُجَاوِرُوۡنَکَ فِیۡهَاۤ اِلَّا قَلِیۡلًا ہ مَلۡعُوۡنِیۡنَ اَیۡنَمَا ثُقِفُوۡۤا اُخِذُوۡا وَ قُتِّلُوۡا تَقۡتِیۡلًا ہ سُنَّةَ اللّٰهِ فِی الَّذِیۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلُ وَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبۡدِیۡلًا﴾ ۔(ترجمہ): ’’اگر منافقین اور وہ لوگ جن کے

دلوں میں خرابی ہے اور وہ لوگ جو مدینہ میں افواہیں اڑایا کرتے ہیں اگر باز نہ آئے تو، ضرور ہم آپ کو ان پر مسلط کر دیں گے پھر وہ لوگ آپ کے ہمسایہ (پاس) نہ رہ سکیں گے اس (شہر) میں مگر تھوڑے دنوں، (وہ بھی ہر طرف سے) پھٹکارے ہوئے، جہاں ملیں گے پکڑے جائیں گے اور خوب ٹکڑے ٹکڑے کر دئے جائیں گے۔ یہ اللہ کی سنت ہے جو ایسے لوگوں کے معاملے میں پہلے سے چلی آرہی ہے اور آپ اللہ کی سنت میں کوئی تبدیلی نہ پائیں گے''۔ (الاحزاب: ۶۰-۶۲)۔ اور ایک جگہ ایمان والوں کے لئے یہ ضابطہ بتایا: ﴿وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ وَ لَیُمَکِّنَنَّ لَھُمْ دِیْنَھُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَھُمْ وَ لَیُبَدِّلَنَّھُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِھِمْ اَمْنًا یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا وَمَنْ کَفَرَ بَعْدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾۔ (ترجمہ): ''اللہ وعدہ فرما چکا ہے تم میں سے ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں اور نیک اعمال کئے ہیں کہ انہیں ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسے کہ ان لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا جو ان سے پہلے تھے اور یقیناً ان کے لئے ان کے اس دین کو مضبوطی کے ساتھ محکم کر کے جما دے گا جسے ان کے لئے وہ پسند فرما چکا ہے اور ان کے اس خوف وخطر کو امن وامان سے بدل دے گا (بشرطیکہ) وہ میری ہی عبادت کرتے رہیں (اور) میرے ساتھ کسی قسم کا شرک نہ کریں اور جو لوگ اس کے بعد بھی کفر (ناشکری) کریں تو وہ یقیناً فاسق ہیں''۔ (النور: ۵۵)۔ اس طرح کی اور بھی آیات ہیں مثلاً آل عمران: ۱۳۷ – ۱۳۸، الانعام: ۱۱، الاعراف: ۹۶، ۱۳۶ – ۱۳۷، ھود: ۱۸ – ۲۰، یوسف: ۱۰۹، الحج: ۴۰ – ۴۱، النمل: ۶۹، القصص: ۴ – ۶، الروم: ۹، غافر: ۲۱ وغیرہ۔

مندرجہ بالا تفصیلات سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ قرآن حکیم نے انسان کو غور و فکر کی دعوت کس اہتمام سے دی ہے۔ یہ اہتمام انسانی زندگی میں غور و فکر کی اہمیت کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ غور و فکر اور تدبر و تفکر ہی ہے جس سے علمی تحقیق کی راہیں کھلتی ہیں۔ انسان قرآن کریم کے بتائے ہوئے نہج کے مطابق جس رخ پر بھی اپنے تدبر و تفکر کو مرکوز کرے گا، خود کو علم کے ایک اتھاہ سمندر میں غوطہ زن پائے گا۔ اس لئے قرآن کریم کی غور وفکر پر یہ تاکید دراصل علم و تحقیق کی دعوت ہے جو عام انسانوں کو دی گئی ہے اور ایک مسلمان چونکہ اس کا خصوصی مخاطب ہے اس لئے اس پر یہ لازم ہے کہ وہ ان میدانوں میں اپنی صلاحیتوں کو صرف کرے اور اس کے نتیجے میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے اس کے اوپر علم و حکمت کا جو فیضان ہو اسے امانت سمجھ کر اس کے بندوں تک پہنچائے اور انسانیت کی نفع رسانی کے لئے اسے استعمال کرے۔ تفسیر قرآن، علوم حدیث، فقہ، تاریخ، تصوف حتی کہ سائنس، طب، علم فلکیات اور ریاضی کے میدان میں مسلم اسکالرز نے جو کاوشیں کی ہیں اور ان کے نتیجہ میں جو علمی سرمایہ وجود میں آیا، ان سب کا محرک دراصل وہ قرآنی آیات ہی تھیں جن میں ضروری علم کے ساتھ غور وفکر اور تدبر و تفکر کی دعوت دی گئی ہے۔ لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ اب ہماری نئی نسل کو اپنے اسلاف کی ان کی خدمات کا بھی علم نہیں۔ مغرب جب تاریخ کے تاریک دور سے گزر رہا تھا اس وقت مسلم اسکالرز مختلف علوم کے میدان میں اپنے جلوے بکھیر رہے تھے اور یورپ کا نشاۃ ثانیہ (Renaissance) تو بہت حد تک ان کی کاوشوں کا ہی مرہون منت ہے اور وہاں کے دیانتدار اسکالرز آج بھی اس کے معترف ہیں۔

ابھی راقم کے زیر مطالعہ ایک کتاب ہے جس کا سرورق عنوان ہے "1001 Inventions: The Enduring Legacy of Muslim Civilization" (۱۰۰۱ ایجادات: مسلم تہذیب کی پائدار وراثت) جس کا یہ تیسرا ایڈیشن نیشنل جیوگرافک سوسائٹی، واشنگٹن (National Geographic Society, Washington) نے سنہ ۲۰۱۲ء میں شائع کیا ہے اور جس کے مدیر پروفیسر سالم ٹی ایس الحسنی ہیں جو 1001 Inventions and the Foundation for Science, Technology and Civilization (FSTC), United Kingdom کے چیئرمین ہیں۔ اس کتاب کو برطانیہ میں مقیم محققین کی ایک ٹیم نے عالمی سطح پر موجود اسکالرز کے ایک نیٹ ورک کے تعاون سے تیار کیا ہے اور قابل ذکر بات یہ بھی ہے کہ اس پر تقریظ ہز ہائنس پرنس آف ویلس، چارلس نے لکھی ہے۔ جیسا کہ نام سے ہی ظاہر ہے اس کتاب میں ساتویں صدی سے لے کے تیرہویں صدی عیسوی کے درمیان کی مسلم تہذیب کی خدمات کو اجاگر کیا گیا ہے۔ خود پرنس چارلس نے بھی پیش لفظ میں اس کا اعتراف کیا ہے کہ یورپ کے نشاۃ ثانیہ میں دور مذکورہ کی علمی وتہذیبی ترقیات کا بڑا رول ہے۔ قابل صد تحسین ہیں برطانیہ کے فاؤنڈیشن فار سائنس، ٹیکنالوجی اینڈ سولائیزیشن سے جڑے محققین اور نیشنل جیوگرافک سوسائٹی، واشنگٹن کے ذمہ داران جنہوں نے مسلمانوں کی علمی وتہذیبی وراثت کو منظر عام پر لانے کی سعی کی حالانکہ یہ کام تو مسلم ممالک کے سربراہان کی سرپرستی میں مسلم محققین کے ذریعہ انجام پانا چاہیے تھا۔ لیکن دنیا طلبی اور عیش کوشی نے ہماری قوت فکر وعمل کو فنا کردیا اور علمی وتحقیقی جدوجہد سے ہم کوسوں دور ہو گئے

اور آج نوبت یہاں تک آ گئی کہ دوسرے ہمیں یاد دلا رہے ہیں کہ تمہارے اسلاف کے یہ کارنامے تھے۔ ہمارے نئی نسل اس کتاب کو اگر پڑھ بھی لے تو شاید غنیمت ہو حالانکہ یہ کتاب اس کی مستحق ہے کہ اس کے ترجمے اردو، فارسی، عربی اور دیگر زبانوں میں کئے جائیں تا کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں تک یہ علمی سرمایہ پہنچ سکے اور نئی نسل اپنے اسلاف کے علمی وتہذیبی ورثے سے واقف ہو سکے۔

۱۰. علم دین کے تحفظ اور اس کی ترویج و اشاعت کے لئے جہاد سے رخصت : اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَ مَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَ لِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْآ اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ﴾۔ (ترجمہ): ''اور مسلمانوں کو یہ نہ چاہیے کہ سب کے سب نکل کھڑے ہوں، سو ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ ان کی ہر ہر جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت جایا کرے تا کہ باقی ماندہ لوگ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں اور تا کہ یہ لوگ اپنی قوم کو جب کہ وہ ان کے پاس آئیں ڈرائیں تا کہ وہ احتیاط رکھیں''۔ (التوبۃ: ۱۲۲)۔ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں مفسرین نے عموماً دو پیرائے اختیار کئے ہیں اور آیت کے الفاظ میں عربی ترکیب کے لحاظ سے دونوں ہی احتمالات موجود ہیں۔ ایک جماعت کے نزدیک لِيَتَفَقَّهُوْا اور لِيُنْذِرُوْا کی ضمیریں مجاہدین سے پیچھے رہ جانے والوں کے لئے ہیں۔ امام ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابوبکر القرطبیؒ نے حضرت قتادہ اور مجاہد رضی اللہ عنہما کا ایسا ہی قول نقل کیا ہے اور اسے ہی زیادہ بین اور واضح کہا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن معروف بہ تفسیر قرطبی (اردو)، ضیاء

القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۲ء، جلد ۴، صفحہ ۹۷۷)۔ اس کا لازمی مطلب یہ ہے کہ تَبقَیٰ طَآئِفَۃٌ یہاں محذوف ہے اور رَجَعُوٓا کی ضمیر مجاہدین کے لئے ہے۔ اس صورت میں آیت کا مفہوم یہ ہے کہ سب کے سب جہاد کے لئے نہ نکل کھڑے ہوں بلکہ ایک گروہ جہاد پر چلا جائے اور ایک گروہ پیچھے رہے جو دین کی سمجھ حاصل کرے اور جب مجاہدین ان کی طرف واپس آئیں تو انھیں بھی احکام دین سے آگاہ کر کے اللہ سے ڈرائے۔ امام قرطبیؒ نے اس آیت سے طلب علم کے واجب ہونے پر استدلال کیا ہے اور لکھا ہے کہ ''یہ آیت طلب علم کے واجب ہونے میں اصل ہے''۔ وہ آگے لکھتے ہیں: ''اس میں کتاب و سنت میں تفقہ کے واجب ہونے کا ذکر ہے۔ اور یہ کہ یہ کفایہ ہے عین نہیں ہے''۔ (حوالہ بالا، صفحہ ۹۷۸)۔ کفایہ کا مطلب یہ ہے کہ ہر شہر اور ہر گروہ میں سے ایک تعداد کا علم دین کی طلب میں لگے رہنا واجب ہے ورنہ سب گنہگار رہوں گے۔

عبداللہ بن عباسؓ بھی اس آیت کی ایک تفسیر یہی کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں: ''اور ہمیشہ کے لئے مسلمانوں کو یہ بھی نہ چاہیے کہ جہاد کے لئے سب کے سب ہی نکل کھڑے ہوں اور (آپؐ کے زمانہ میں) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تنہا مدینہ منورہ میں چھوڑ دیں، ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ ان کی ہر ہر بڑی جماعت میں سے ایک ایک چھوٹی جماعت (یعنی کچھ لوگ) جہاد میں جایا کریں اور کچھ جماعت مدینہ منورہ میں رہ جایا کرے تا کہ یہ باقی ماندہ لوگ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے (آپ کے وقت میں اور آپؐ کے بعد علماء شہر سے) دینی معلومات حاصل کرتے رہیں اور تا کہ یہ لوگ اس قوم کو جو جہاد میں گئی ہے، جب کہ وہ جہاد سے ان کے پاس آئیں ان کو دین کی باتیں سنا کر اللہ کی نافرمانی سے ڈرا دیں

تا کہ ان کو معلوم ہو جائے کہ کن کن باتوں کا حکم دیا گیا ہے اور کن کن باتوں سے منع کیا گیا ہے''۔ (تفسیر ابن عباسؓ تالیف ابو طاہر محمد بن یعقوب الفیروز آبادیؒ مع کتاب لباب النقول فی اسباب النزول از علامہ جلال الدین سیوطیؒ، اردو ترجمہ از پروفیسر محمد سعید احمد عاطف، مکی دار الکتب، لاہور، ۲۰۰۹ء، جلد ۲، صفحہ ۱۹)۔

اس تفسیر کی تائید ان روایتوں سے بھی ہوتی ہے جو اس آیت کے شان نزول میں حضرات عبداللہ بن عبد بن عمیرؓ اور عکرمہؓ سے مروی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عبد بن عمیرؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اکرم ﷺ کسی لشکر کو روانہ فرماتے تو جہاد کے جذبہ اور شوق میں مومنین سب کے سب نکل کھڑے ہوتے اور رسول اکرم ﷺ کو مدینہ منورہ میں چند کمزور آدمیوں کے ساتھ چھوڑ جاتے، اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور حضرت عکرمہؓ سے روایت ہے جسے ابن ابی حاتمؒ نے نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت اِلَّا تَنفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا نازل ہوئی اور دیہات میں رہنے والوں میں سے کچھ لوگ جہاد میں نہیں گئے تھے اور اپنی قوم کو دین کی باتیں سکھا رہے تھے، اس پر منافقین کہنے لگے کہ یہ دیہاتی جو جہاد میں نہیں گئے ہلاک ہو گئے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (حوالہ بالا، صفحہ ۱۹-۲۰)۔

علمائے متاخرین میں قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ نے بھی اس آیت کی ایک توضیح حضرت عکرمہؓ کے حوالہ سے یہی کی ہے۔ فرماتے ہیں: ''یعنی ایسا کیوں نہ ہوا کہ کچھ لوگ جہاد پر نکلتے اور کچھ نبی کریم ﷺ کے ساتھ رہتے تا کہ دینی مسائل حاصل کرتے، قرآن، سنن، فرائض اور احکام سیکھتے اور پھر جب مجاہدین واپس آتے تو انھیں بتاتے کہ

تمھارے جانے کے بعد یہ یہ احکامات نازل ہوئے ہیں، پھر یہ غازی حضرات بعد میں نازل ہونے والے احکامات سیکھتے اور دوسرے لوگ جہاد پر چلے جاتے تاکہ تفقہ فی الدین جو جہاد اکبر ہے اس کا سلسلہ منقطع نہ ہو کیوں کہ حجت اور دلیل سے جھگڑنا اصل ہے اور بعثت نبوی کا مقصود بھی یہی ہے۔ اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا العلماء ورثة الانبیاء علماء انبیاء کے وارث ہیں''۔ (تفسیر مظہری، جلد۴، صفحہ ۳۷۱)۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے بھی اپنی تفسیر بیان القرآن میں اسی توجیہ کو اختیار کیا ہے۔ اصل عبارت ملاحظہ کیجئے: ''اور ہمیشہ کے لئے مسلمانوں کو یہ بھی نہ چاہیے کہ جہاد کے واسطے سب کے سب ہی نکل کھڑے ہوں کہ اس میں بعض اوقات مسلمانوں کا ضرر ہے سو ایسا کیوں نہ کیا جاوے کہ ان کی ہر ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت جہاد میں جایا کرے اور کچھ اپنے وطن میں رہ جایا کریں تاکہ یہ باقی ماندہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے وقت میں آپ سے اور آپؐ کے بعد علماء شہر سے دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں اور تاکہ یہ لوگ اپنی اس قوم کو جو کہ جہاد میں گئے ہیں جب کہ وہ ان کے پاس واپس آویں دین کی باتیں سنا کر خدا کی نافرمانی سے ڈراویں تاکہ وہ ان سے دین کی باتیں سن کر برے کاموں سے احتیاط رکھیں''۔ (بیان القرآن، مطبوعہ اشرف المطابع، تھانہ بھون، مظفرنگر، یوپی، ۱۳۵۳ھ، جلد ۴، ۵، ۶ (یکجا)، صفحہ ۱۴۹)۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے بھی اپنی تفسیر معارف القرآن میں اسی تعبیر کو اختیار کیا ہے اور اس آیت کی بنیاد پر جہاد کو عام حالات میں فرض کفایہ قرار دیا ہے،

ساتھ ہی فرض کفایہ کی چند دوسری مثالیں بھی بیان کی ہیں، اس کے بعد آپ فرماتے ہیں:

''اسی فرض کفایہ کے سلسلہ کا ایک اہم کام دینی تعلیم ہے، اس آیت میں خصوصیت سے اس کے فرض ہونے کا اس طرح ذکر فرمایا ہے کہ جہاد جیسے اہم فرض میں بھی اس فرض کو چھوڑنا نہیں، جس کی صورت یہ ہے کہ ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت جہاد کے لئے نکلے اور باقی لوگ علم دین حاصل کرنے میں لگیں، پھر یہ علم دین حاصل کر کے جہاد میں جانے والے مسلمانوں کو اور دوسرے لوگوں کو علم دین سکھائیں''۔ (معارف القرآن، جلد۴، صفحہ۴۸۸)۔

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ نے بھی اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ جب جہاد سے پیچھے رہ جانے والوں پر وعیدیں نازل ہونے لگیں تو اس خوف سے سارے کے سارے مسلمان جہاد کے لئے نکل کھڑے ہوئے اس پر یہ احکام نازل ہوئے کہ ضروریات دین کی تعلیم و تعلم کے لئے بھی کچھ لوگوں کو ضرور لگے رہنا چاہیے۔ ایسا نہ ہونے پائے کہ ادھر سے غفلت ہو جائے۔ جہاد بالدلائل تو جہاد بالاسلحہ سے بھی زیادہ اہم ہے''۔ (تفسیر ماجدی مکمل، پاک کمپنی، لاہور، ۲۰۰۷ء، صفحہ۴۶۲، حاشیہ ۲۳۰)۔

دوسری تفسیر آیت کریمہ کی یہ ہے کہ اس کا تعلق جہاد سے نہیں بلکہ اس میں علم دین سیکھنے کی اہمیت، اس کی ترغیب اور اس کے حصول کی تدبیر کا بیان ہے۔ اس تعبیر کے مطابق آیت کا مطلب یہ ہے کہ تمام لوگ یکبارگی اپنا گھربار اور وطن چھوڑ کر طلب علم میں نہ نکل پڑیں بلکہ ہر قبیلہ یا ہر بڑی جماعت میں سے چند آدمی علم دین کے حصول کے لئے

نکلیں اور مراکزعلم میں جا کر دین کی سمجھ بوجھ حاصل کریں اور واپس آ کر اپنی قوم کو وعظ و نصیحت کے ذریعہ احکام الٰہی کی نافرمانی سے ڈرائیں تا کہ وہ لوگ احتیاط برتیں۔ اس تفسیر کی تائید بھی عبداللہ بن عباسؓ کے ایک قول سے ہوتی ہے۔ (ملاحظہ کیجئے تفسیر ابن کثیرؒ اردو، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، ۲۰۰۹ء، جلد۲، صفحہ ۶۴۰)۔ ان کے علاوہ علامہ ابوحیانؒ نے بھی اسی تعبیر کو اختیار کیا ہے اور شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلویؒ نے بھی اس آیت کی یہی توضیح کی ہے۔ (تفسیر عثمانیؒ از علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، شاہ فہد قرآن شریف پرنٹنگ کمپلیکس، مدینہ منورہ، ۱۹۹۳ء، صفحہ ۲۷۳-۲۷۴، حاشیہ نمبر ۵)۔ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی اور مولانا صلاح الدین یوسف نے بھی اس آیت کی ایک تفسیر یہی کی ہے۔ (دیکھیں علی الترتیب: تفسیر مظہری، جلد۴، صفحہ ۳۶۸ اور قرآن کریم معہ اردو ترجمہ (از مولانا محمد جونا گڑھیؒ) وتفسیر (ازمولانا صلاح الدین یوسف)، شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ کمپلیکس، مدینہ منورہ، ۱۴۱۷ھ، صفحہ ۵۵۶، حاشیہ نمبر ۱)۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ نے بھی اس آیت سے یہی اخذ کیا ہے (''پیغام ہر قوم اور اسکے اصول دعوت'' از علامہ سید سلیمان ندویؒ، بصورت مقدمہ در کتاب ''مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت'' از مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، ادارہ اشاعت دینیات (پرائیویٹ) لمیٹڈ، ۲۰۰۵ء، صفحہ ۲۴) اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے بھی اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے۔ (تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، جلد۲، صفحہ ۲۵۰ — ۲۵۱)۔ رجوع الی القرآن کے ماضی قریب کے ایک اہم داعی ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے بھی اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے۔ (بیان القرآن، انجمن خدام القرآن، خیبر پختونخوا، پشاور، ۲۰۱۱ء، جلد۳، صفحہ ۳۲۸-۳۲۹)۔

مذکورہ تفاسیر کی روشنی میں اس آیت کریمہ سے کئی اہم نکات اخذ کئے جاسکتے ہیں۔ اگر پہلی تفسیر کو اختیار کیا جائے تو اس سے علم کی بڑی فضیلت اور اہمیت واضح ہوتی ہے کہ جہاد جیسے اہم فریضہ سے رخصت صرف علم کے تحفظ اور اس کی ترویج واشاعت کے لئے دی گئی ہے۔ اس نکتہ کی صحیح معرفت صرف اس شخص کو ہوسکتی ہے جس کے سامنے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے وہ ارشادات ہوں جن میں جہاد کی اہمیت، اس کی فضیلت اور اس سے احتراز کرنے پر وعیدوں کا بیان ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ علم کی طلب میں مشغول ہونا اور دین میں تفقہ پیدا کرنے کی سعی کرنا کسی معنی میں جہاد سے کم نہیں۔ رسول پاک ﷺ کے قول "مَنْ خَرَجَ فِي طَلَبِ الْعِلْمِ فَهُوَ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَرْجِعَ" (یعنی جو شخص علم کی طلب میں نکلا، تو وہ جب تک واپس نہ آجائے، اللہ کی راہ میں ہے) سے بھی اس فکر کی تائید ہوتی ہے۔ (سنن ترمذی، کتاب العلم، بابُ فَضْلِ طَلَبِ الْعِلْمِ، بروایت انس بن مالک ؓ)۔ مشہور صحابی ابو درداء ؓ کا ایک قول بھی اس فکر کی حمایت میں ہے جسے امام غزالی ؒ نے اپنی تصنیف احیاء علوم الدین میں نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "مَنْ رأىٰ أَنَّ الغُدوَّ إِلى العلمِ ليسَ بجهادٍ فقدْ نقصَ في رأيِهِ و عقلِهِ" یعنی "جس شخص کی یہ رائے ہو کہ صبح کے وقت علم کی طلب میں جانا جہاد نہیں وہ اپنی رائے اور عقل میں ناقص ہے"۔ (احیاء علوم الدین، المجلّد الاوّل، صفحہ ۳۸)۔

اگر اس آیت کی دوسری تفسیر کو اختیار کیا جائے تو بھی اس سے علم کی فضیلت ظاہر ہے کہ اس کے حصول کے لئے اپنے گھربار اور وطن کو چھوڑ کر مراکز علم کی طرف سفر

کرنے کا حکم ہے۔

تیسرا نکتہ جو دونوں ہی تفسیر سے مشترکہ طور پر مستفاد ہے یہ ہے کہ طلب علم ہر مسلمان پر ضروری ہے۔ جہاد اور دوسری دینی و دنیوی ضروریات کے مختل ہونے اور انتظامی مشکلات سے بچانے کے لئے اس آیت میں یہ تدبیر اختیار کرنے کی ہدایت دی گئی ہے کہ ایک وقت میں ایک گروہ ہی طلب علم میں لگے لیکن اس جماعت پر یہ ذمے داری ہے کہ موقع ملتے ہی باقی ماندہ لوگوں تک اپنا حاصل کردہ علم پہنچادے، پھر دوسرے موقع پر دوسرا گروہ طلب علم میں لگے اور اس طرح علم کی ترویج و اشاعت کا سلسلہ بھی جاری رہے اور مسلمانوں کا کوئی طبقہ علم سے محروم بھی نہ رہ سکے۔

ایک اہم نکتہ جس کی طرف مفتی شفیع صاحبؒ نے اشارہ فرمایا ہے یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ پاک نے لِيَفْقَهُوا الدِّيْنَ یعنی ''تاکہ وہ دین کو سمجھ لیں''نہیں فرمایا بلکہ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّيْنِ فرمایا جو باب تَفَعُّلْ سے ہے، اس کے معنی میں محنت و مشقت کا مفہوم شامل ہے۔ مراد یہ ہے کہ دین کی سمجھ بوجھ اور اس میں مہارت حاصل کرنے میں جتنی بھی محنت و مشقت اٹھانی پڑے اس سے پیچھے نہ ہٹنا چاہیے۔ (معارف القرآن، جلد۴، صفحہ ۴۹۰)۔

یہاں ایک قابل ذکر بات یہ بھی ہے کہ مفسرین کے ایک طبقہ نے مذکورہ آیت کی ایک تیسری تفسیر بھی کی ہے جس کے مطابق لِيَتَفَقَّهُوا اور لِيُنْذِرُوا کی ضمیریں جہاد پر نکلنے والی جماعت کے لئے ہیں اور اس صورت میں لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّيْنِ کا معنی ہے تاکہ وہ بصیرت اور یقین حاصل کریں اس سے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان کو مشرکین پر غلبہ اور

دین کی مدد کر کے دکھائے گا اور لِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ سے مراد یہ ہے کہ جب وہ جہاد سے لوٹیں تو اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت جو نبی مکرمؐ اور مومنین کے ساتھ ہوئی ان واقعات کو بتا کر اپنی کافر قوم کو ڈرائیں (کہ ان کے اندر اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے مقابلہ کی طاقت نہیں) تا کہ وہ رسول اللہ ﷺ اور دین کی دشمنی سے اس خوف سے باز آجائیں کہ کہیں ان کا بھی وہ حشر نہ ہو جائے جو ان کے کافر ساتھیوں کا ہوا۔ یہ تفسیر مشہور تابعی حسن بصریؒ سے منقول ہے اور اسے ہی علامہ ابن جریر طبریؒ نے اختیار کیا ہے۔ (تفسیر قرطبی (اردو)، جلد۴، صفحہ ۷۷۹)۔ شیخ قطب مصریؒ نے مذکورہ آیت کی اسی تفسیر کو درست ٹھہرایا ہے اور اس کی تائید میں اپنے دلائل بھی دیے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"اس آیت کی تفسیر میں متعدد روایات وارد ہیں اور مفسرین نے اس گروہ کے تعین میں مختلف آرا کا اظہار کیا ہے جو نکلیں اور تفقہ فی الدین حاصل کر کے واپس آئیں اور اپنی قوم کو ڈرائیں۔ ہمارے خیال میں درست تفسیر یہ ہے کہ تمام مسلمان گو ظاہر ہے گھروں سے نہیں نکل سکتے بلکہ مسلمانوں کے ہر فرقے سے ایک گروہ ہی نکل سکتا ہے اور یہ لوگ باری باری ایسا کریں گے یعنی پہلے کچھ لوگ جائیں گے اور دوسرے مقیم رہیں گے، پھر دوسرے لوگ اپنی باری پر جائیں گے۔ یہ جو لوگ نکلیں گے تو یہ لوگ جہاد، تحریک اور مہم کی شکل میں اسلامی نظریہ حیات کو لے کر نکلیں گے۔ اس جہاد اور تحریک کے دوران وہ جو عملی و علمی تجربات کریں گے ان سے ان لوگوں کو آگاہ کریں گے جو گھروں میں مقیم تھے"۔ (فی ظلال القرآن اردو، ادارہ منشورات اسلامی، لاہور، سنہ اشاعت ۱۹۹۷ء،

جلد۳،صفحہ۶۹۹)۔

آگے اس تفسیر کو اختیار کرنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس آیت کی جو تفسیر ہم نے بیان کی ہے اور حضرت ابن عباسؓ کے قول میں اس طرف اشارہ بھی ہے نیز حسن بصریؒ، ابن جریرؒ اور ابن کثیرؒ نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ دین اپنا ایک تحریکی منہاج رکھتا ہے۔اس دین کو صرف وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو اسے لے کر چلتے ہیں، جو لوگ اس دین کی راہ میں جہاد کے لئے نکلتے ہیں وہی درحقیقت اس دین کے اصل فقیہ ہوتے ہیں اور اس دین کے اسرار و رموز الٰہی ان پر منکشف ہوتے ہیں۔جب کوئی قوم اس دین کو لے کر عملاً چلتی ہے تو اس کے معجزات اور اسرار عملاً اس پر واشگاف ہوتے ہیں۔جو لوگ بیٹھے رہتے ہیں تو ان لوگوں کو اس بات کی ضرورت پیش آتی ہے کہ وہ لوگ تحریکی لوگوں سے اس کو سمجھیں کیوں کہ بیٹھنے والے ان اسرار کا مشاہدہ نہیں کر سکتے جو اس کو لے کر چلنے والے کرتے ہیں۔نہ یہ لوگ تحریکی لوگوں کی طرح اسلام کو سمجھ سکتے ہیں۔پیچھے رہنے والے اور گھروں میں بیٹھنے والے اس دین کے اسرار و رموز کو ان لوگوں کی طرح نہیں پا سکتے جو اس دین کے لئے حرکت جہاد میں ہوں خصوصاً رسول اللہ ﷺ کی معیت میں گھروں سے نکلنا بذات خود انسان میں بیداری اور سمجھ پیدا کرتا ہے۔

یہ مفہوم اس مفہوم سے بالکل متضاد ہے جس کے مطابق لوگ سمجھتے ہیں کہ جہاد، تحریک اور غزا سے جو لوگ پیچھے رہتے ہیں اور گھروں میں بیٹھ جاتے ہیں اور اپنے آپ کو علمی کاموں کے لئے یکسو کرتے ہیں وہ فقہاء ہوتے ہیں، یہ خام خیالی ہے۔یہ اس دین

کے مزاج کے خلاف ہے۔اس دین کا بنیادی عنصر اس کی ''تحریک'' ہے، لہٰذا وہ لوگ جو تحریکی نہیں ہوتے وہ اس دین کو سمجھ ہی نہیں سکتے جو اس دین کو لے کر عملاً لوگوں کے اندر واقعی صورت حالات پر منطبق نہیں کرتے اور اسے کسی معاشرے میں موجود جاہلیت پر غالب کرنے کی سعی نہیں کرتے''۔(حوالہ بالا، جلد ۳، صفحہ ۶۹۹-۷۰۰)۔

یہ تفسیر و تاویل گو کہ راقم کے دئے ہوئے ذیلی عنوان سے مطابقت نہیں رکھتی لیکن علمی دیانتداری کے تقاضہ کے تحت اسے یہاں نقل کرنا مناسب معلوم ہوا اور اس لئے بھی کہ بہر حال اس کا تعلق حصول تفقہ فی الدین کے طریقہ کار سے ہے۔اس میں علم اور تفقہ فی الدین کے حصول کا گہرا تعلق دعوت اور اقامت دین کی جدوجہد سے ثابت کیا گیا ہے۔اسے وہی شخص سمجھ سکتا ہے اور قبول کرسکتا ہے جس نے دعوت و تبلیغ اور اقامت دین کے لئے کسی درجہ میں بھی اپنی جان، مال اور وقت کا سرمایہ لگایا ہو۔اس خاکسار کے دعوتی تجربات و مشاہدات گو کہ بہت تھوڑے ہیں اور قابل ذکر بھی نہیں لیکن اس خیال کی تائید میں ہیں۔اس تفسیر میں ان لوگوں کے لئے بشارت ہے جو دعوت دین کی کسی بھی تحریک سے جڑے ہیں کہ ان کے لئے علم و تفقہ فی الدین کے حصول کے مواقع و امکانات بہت زیادہ ہیں، اگر وہ ان سے فائدہ اٹھانا چاہیں تو ان کی تھوڑی سی توجہ اور کوشش بہت ثمر آور ہوسکتی ہے۔یہ بھی ضروری ہے کہ دعوت علم کی روشنی میں ہو اور اصل دعوت تو دعوت بالقرآن ہی ہے جیسا کہ قرآنی ہدایات سے سمجھ میں آتا ہے۔جیسے ارشاد ربانی ہے:﴿فَذَکِّرْ بِالْقُرآنِ مَنْ یَّخَافُ وَعِیْدِ﴾ یعنی ''آپ قرآن کے ذریعہ انہیں سمجھاتے رہیں جو میرے وعید سے ڈرتے ہیں''۔(ق:۴۵)۔اس مفہوم کی اور بھی

آیات ہیں مثلاً المائدہ: ۶۷، الانعام: ۱۹، مریم: ۹۷، العنکبوت: ۴۵ وغیرہ۔ اس لئے دعوت کی راہ میں قرآن فہمی کی کوشش دعوت کو پرتاثیر بنانے کے لئے بھی ضروری ہے اور خود داعی کے فہم قرآن کو جلا بخشنے کے لئے بھی۔ داعیان دین کو اس نکتے پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

۱۱. **کتاب اللہ میں علم والوں کی تعریف :** علم کی فضیلت اس بات سے بھی عیاں ہے کہ اللہ رب العزت نے اپنی کتاب میں علم والوں کی خود تعریف فرمائی ہے، ارشاد ہے: ﴿اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾ یعنی ''اللہ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں''۔ (فاطر: ۲۸)۔ مراد یہ ہے کہ خشیت الٰہی صرف ان بندوں میں ہوتی ہے جو کتاب وسنت اور اسرار الٰہیہ کا صحیح علم رکھتے ہیں اور جنہیں اللہ جل شانہ کی ذات اور صفات کی صحیح معرفت حاصل ہوتی ہے۔ اس طرح خشیت الٰہی کو علماء کے ساتھ خاص کر کے ایک طرف تو علم کی اہمیت بتادی گئی دوسری طرف علماء کا مقام بھی بتادیا۔ ایک جگہ فرمایا: ﴿شَھِدَ اللّٰہُ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ وَ الْمَلٰٓئِکَۃُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ﴾۔ (ترجمہ): ''گواہی دی ہے اللہ تعالیٰ نے (خود اس بات کی) کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دی ہے فرشتوں نے اور اہل علم نے بھی اور وہی قائم فرمانے والا ہے عدل وانصاف کو''۔ (ال عمران: ۱۸)۔ غور کیجئے کہ اللہ پاک نے اس شہادت کو کیسے اپنی ذات سے شروع فرمایا اور دوسری بار میں فرشتوں کا ذکر کیا اور تیسری میں علم والوں کا۔ اللہ تعالیٰ کی شہادت تو خود ہی کافی تھی کیوں کہ اس سے زیادہ سچا شاہد اور کون ہوسکتا ہے پھر بھی اس کا اپنی شہادت کے ساتھ

فرشتوں اور اہل علم کی شہادت کا یوں ذکر کرنا، علم والوں کی عظمت، شرافت اور بزرگی کو ظاہر کرتا ہے۔ یقیناً اس سے علماء کی بہت بڑی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ اسی طرح ایک جگہ ارشاد ہے: ﴿قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ وَ مَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ﴾ ۔ (ترجمہ): "آپ کہہ دیجئے کہ اللہ کافی ہے گواہ میرے اور تمھارے درمیان اور وہ جس کے پاس کتاب کا علم ہے"۔ یہاں بھی اپنی گواہی کے ساتھ حاملین علم کتاب کی گواہی کو ذکر کر کے اللہ پاک نے اہل علم کو عزت بخشی ہے۔ (الرعد: ۴۳)۔

ایک اور جگہ یوں فرمایا ہے: ﴿وَ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا﴾ ۔ (ترجمہ): "اور کہا ان لوگوں نے جنھیں علم دیا گیا تھا، افسوس تم پر، اللہ کا ثواب بہتر ہے اس کے لئے جو ایمان لے آیا اور نیک عمل کئے"۔ (القصص: ۸۰)۔ یہ آیت اس واقعہ کے تناظر میں ہے جس میں یہ ہے کہ قارون، جو بنی اسرائیل کا ایک بڑا ہی دولت مند شخص تھا اور موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ سرکشی کی وجہ سے مع اپنے محل وساز وسامان کے زمین میں دھنسا دیا گیا تھا، ایک بار پوری آرائش وزیبائش اور شان وشوکت کے ساتھ اپنی برادری کے سامنے نکلا جسے دیکھ کر بعض سادہ لوح مسلمانوں نے یہ تمنا ظاہر کی تھی کہ کاش انہیں بھی وہ ساز وسامان ملا ہوتا جن سے قارون نوازا گیا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ قارون تو بڑا صاحب نصیب ہے۔ ان کی اس بات پر صاحب علم مومنوں نے اظہار افسوس کیا اور دنیا کی حرص وہوس سے ان کا رخ آخرت اور ایمان وعمل صالح کی بنیاد پر وہاں ملنے والی نعمتوں کی طرف موڑنے کی کوشش کی جس کا تذکرہ مذکورہ آیت میں ہے۔ اس آیت کریمہ سے یہ ظاہر ہے کہ آخرت کی

قدر و منزلت بھی علم کے ذریعہ ہی معلوم ہوتی ہے اور اہل علم ہی دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی لافانی نعمتوں کا صحیح ادراک رکھتے ہیں۔

اسی طرح سلیمان علیہ السلام اور ملکہ سبا کے تذکرے میں فرمایا: ﴿قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ لِیَبْلُوَنِیْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ﴾۔ (ترجمہ): یعنی ”عرض کی اس نے جس کے پاس کتاب کا علم تھا کہ میں لے آتا ہوں اسے آپ کے پاس اس سے پہلے کہ آپ کی آنکھ جھپکے، پھر جب آپ نے اسے اپنے پاس موجود پایا تو فرمانے لگے یہ میرے رب کا فضل ہے تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ آیا میں شکرگزاری کرتا ہوں یا ناشکری“۔ (النمل: ۴۰)۔ یہ بیان اس وقت کا ہے جب کہ سلیمان علیہ السلام نے یہ چاہا کہ ملکہ سبا کو ایک معجزہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی سلطانی عظمت کا مشاہدہ کرائیں اور اپنے درباریوں سے فرمایا تھا کہ تم میں سے کون اس کے تخت کو اس کے مطیع ہو کر آنے سے پہلے میرے پاس لے آئے گا؟ اس بیان میں جو اسلوب اختیار کیا گیا ہے اس سے بھی علم کی عظمت اور شرافت ظاہر ہوتی ہے کہ اس شخص کو جس نے چشم زدن میں بلقیس کا تخت سلیمانؑ کی خدمت میں حاضر کر دیا، یہ کرامت اور اعجاز اس کے کتب سماویہ کے علم کے سبب ہی حاصل تھی۔ ساتھ ہی سلیمان علیہ السلام کے قول سے یہ بھی ظاہر ہے کہ ایسے علم کا حاصل ہونا اللہ تعالیٰ کے خاص فضل وکرم کی دلیل ہے جس کا مقصد بندے کی شکرگزاری کا امتحان ہوا کرتا ہے۔

۱۲. **علم والے اور بے علم برابر نہیں**: اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿قُلْ هَلْ

یَسۡتَوِی الَّذِیۡنَ یَعۡلَمُوۡنَ وَ الَّذِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ اِنَّمَا یَتَذَکَّرُ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ﴾۔ (ترجمہ): ''آپ کہیے کیا برابر ہو سکتے ہیں علم والے اور بے علم؟ نصیحت تو عقل رکھنے والے ہی قبول کرتے ہیں''۔ (الزمر: ۹)۔ اس آیت کریمہ میں باری تعالیٰ نے ایک جملہ استفہامیہ کے ذریعہ علم اور اہل علم کی فضیلت کو ظاہر کیا ہے۔ قرآن کریم میں بصیرت رکھنے والے علماء جانتے ہیں کہ یہ انداز تخاطب اللہ پاک نے وہیں اختیار کیا ہے جہاں کوئی حقیقت بالکل واضح ہو، جیسے دوسری جگہ فرمایا: ﴿قُلۡ هَلۡ یَسۡتَوِی الۡاَعۡمٰی وَ الۡبَصِیۡرُ اَفَلَا تَتَفَکَّرُوۡنَ﴾۔ (ترجمہ): ''آپ کہیے کہ اندھا اور بینا کہیں برابر ہو سکتا ہے؟ سو کیا تم غور نہیں کرتے؟''۔ (الانعام: ۵۰)۔ اندھے اور بینا کا فرق اتنا واضح ہے کہ اسے کسی کو بھی سمجھانے کی ضرورت نہیں۔ اس طرح یہ بالکل ظاہر ہے کہ ان آیات میں استفہام انکار کے لئے ہے، یعنی بالیقین یہ لوگ آپس میں برابر نہیں ہو سکتے۔ عالم اور بے علم کا درجہ ایک ہو ہی نہیں سکتا اور یہ ایک ایسی بیّن حقیقت ہے کہ اگر کسی کو سمجھ میں نہ آئے تو یہ اس کے عقل وفہم میں ہی نقص کی علامت ہے۔

ایک اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ دوسری آیت جس کا ذکر سطور بالا میں ہوا، کا تعلق بھی علم ہی سے ہے۔ یہاں نبی اور غیر نبی میں قوت علمیہ کے اعتبار سے جو تفاوت ہے اس کو واضح کیا گیا ہے جیسا کہ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اس سے اخذ کیا ہے اور یہی تعبیر مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے بھی اختیار کی ہے۔ (دیکھیں علی الترتیب، تفسیر عثمانی، صفحہ ۱۷۷، حاشیہ نمبر ۶ اور تفہیم القرآن، جلد ۱، صفحہ ۵۴۲، حاشیہ نمبر ۳۲)۔ ان تعبیرات کی روشنی میں غور کیجیے تو حاملین علم وحی ورسالت اور بے علموں میں بھی وہی فرق سمجھ میں آتا ہے جو

اندھے اور بینا میں ہوا کرتا ہے۔ اس تمثیل سے علم اور اہل علم کی فضیلت خوب واضح ہو جاتی ہے۔

اسی طرح جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک عالم اور ایک عابد کے مابین فرق مراتب کو علی الترتیب چاند اور ستارہ سے تشبیہ دے کر واضح کیا ہے کیوں کہ ان دونوں کی روشنی میں جو تفاوت ہے وہ ہر کسی پر عیاں ہے۔ ارشاد فرمایا: ''إِنَّ فَضْلَ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ، كَفَضْلِ الْقَمَرِ، لَيْلَةَ الْبَدْرِ، عَلَى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ'' یعنی ''بے شک عالم کی فضیلت عابد پر ایسے ہی ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کی فضیلت تمام ستاروں پر''۔ (سنن ابی داؤد، کتاب العلم، باب الحث على طلب العلم أو في فضل العلم، بروایت ابوالدرداءؓ)۔ اس حدیث میں یقیناً عالم سے نہ ہی بے عمل عالم مراد ہے اور عابد سے نہ ہی مطلق جاہل عابد بلکہ ضروری علم اور فرض عبادات جن میں دونوں یکساں طور پر شریک ہوں اس کے بعد اگر ایک شخص تبحر فی العلم اور اس کی ترویج واشاعت میں لگا رہتا ہے اور دوسرا نفلی عبادت میں مصروف رہتا ہے تو ان میں سے عالم کا درجہ بہت بلند ہے کیوں کہ عالم کے علم کا فائدہ متعدی ہے کہ ہزاروں تک پہنچتا ہے جب کہ عابد کی عبادت کا نور یا اس کا فائدہ خود اس کی ذات تک محدود رہتا ہے ٹھیک اسی طرح جیسے چودھویں رات کے چاند کی روشنی دور دور تک پھیلتی ہے اور ستاروں کی روشنی کی وسعت محدود ہوتی ہے۔

عالم کی عابد پر فضیلت کو رسول اللہ ﷺ نے ایک دوسری تمثیل سے بھی واضح کیا ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا ہے: ''فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ، كَفَضْلِي عَلَى

أَدْنَاكُمْ" یعنی"عالم کی فضیلت عابد پر ایسے ہی ہے جیسے میری فضیلت تم میں سے ایک عام شخص پر ہے"۔(سنن ترمذی، کتاب العلم، بَابُ مَاجَاءَ فِي فَضْلِ الْفِقْهِ عَلَى الْعِبَادَةِ، بروایت ابوامامہ باہلیؓ)۔غور کرنے کی بات ہے کہ نبی، وہ بھی نبی آخرالزماں اور امام الانبیاء، کا مقابلہ ایک ادنیٰ امتی سے کیا ہوسکتا ہے، اگر آپؐ نے"تم میں سے اعلیٰ کا فقرہ" بھی استعمال کیا ہوتا جب بھی یہ فرق بیّن ہوتا (کیوں کہ ایک امتی خواہ اللہ کی معرفت کے کتنے ہی بلند مقام پر کیوں نہ فائز ہوجائے وہ نبی کے مقام کے ہزارویں درجے کو بھی نہیں پاسکتا گو وہ ان کے اصحاب میں سے ہی کیوں نہ ہو) لیکن آپؐ نے"تم میں سے ادنیٰ کا فقرہ" استعمال کر کے عالم اور عابد کے درمیان مرتبہ کے اس فرق کو اور بھی واضح کردیا۔ان تمثیلات نے نفل عبادات پر حصول علم اور اس کی ترویج واشاعت کی تگ ودو میں لگے رہنے کی فضیلت پوری طرح واضح ہوجاتی ہے۔

۱۳. علم وحکمت کی خیر کثیر سے تعبیر: سطور بالا میں ان آیات کا ذکر ہوا جن میں اللہ رب العزت نے استفہام اور تمثیل کے ذریعہ علم کی فضیلت کو واضح کیا ہے۔اب اس آیت کریمہ کو ملاحظہ کیجئے جس میں باری تعالیٰ نے علم وحکمت کی تعبیر کھلے طور پر خیر کثیر سے کی ہے۔ارشاد ربانی ہے:﴿يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ وَ مَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا﴾۔(ترجمہ):"وہ جسے چاہتا ہے حکمت عطا فرماتا ہے اور جسے حکمت عطا کی گئی اسے بڑی خیر کی چیز مل گئی"۔(البقرۃ:۲۶۹)۔لفظ حِكْمَةٌ قرآن کریم میں بار بار آیا ہے کسی جگہ اس سے مراد قرآن ہے، کسی جگہ حدیث وسنّت، کسی جگہ علم نافع، کہیں عقل وفہم، کہیں قوت فیصلہ، کہیں تفقہ فی الدین، کہیں اصابت رائے اور

کہیں خشیت الٰہی۔علامہ ابن کثیرؒ نے اس آیت کی تفسیر میں عبداللہ بن عباسؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ حکمت سے مراد قرآن کریم کی معرفت اور اس کی تفسیر میں بصیرت کا حاصل ہونا ہے جس سے اس کے ناسخ ومنسوخ، محکم ومتشابہ، مقدم وموخر، حلال وحرام اور مثالوں کی صحیح معرفت حاصل ہو جائے۔(تفسير القرآن العظيم للحافظ اسماعيل بن عمر بن كثيرؒ، دار طيبة للنشر و التوزيع، المملكت العربية السعودية، الرياض، الطبعة الثانية ۱۹۹۹م، الجزء الأول، صفحة ۷۰۰)۔مفتی شفیع صاحبؒ نے تفسیر بحر محیط کے حوالہ سے لکھا ہے کہ بعض حضرات کے نزدیک زیر نظر آیت میں حِكْمَةٌ سے یہ تمام چیزیں مراد ہیں۔(معارف القرآن، جلد ا، صفحہ ۴۴۰-۴۴۱)۔ راقم کے نزدیک ان تمام کا خلاصہ دین کی صحیح سمجھ وفہم ہے۔رسول پاک ﷺ کے فرمان ''مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ'' (صحیح بخاری، کتاب العلم، باب مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ ، بروایت معاویہ بن سفیانؓ) یعنی ''اللہ پاک جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کی سمجھ عنایت فرماتا ہے'' سے بھی اسی فکر کی تائید ہوتی ہے۔غور کرنے کی بات ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے دین کے صحیح علم وفہم کو خیر سے تعبیر فرمایا ہے اور قرآن کریم نے تو خیر کثیر کہہ کر اسے اور بھی قوی کر دیا، یہ سب علم کی فضیلت پر کھلی دلیل ہے۔

۱۴. اللہ رب العزت کا اپنے بیانات کی سمجھ کو علماء کے لئے مخصوص کرنا : علم کی فضیلت اس بات سے بھی عیاں ہے کہ اللہ رب العزت نے اپنی کتاب میں کئی مقامات پر اپنے بیانات کی سمجھ کو علماء کے ساتھ مخصوص کیا

ہے۔ مثلاً ارشاد ربانی ہے: ﴿وَ تِلْکَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَ مَایَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ﴾۔ (ترجمہ): ''اور یہ مثالیں ہیں کہ بیان کرتے ہیں ہم انہیں لوگوں کے (غور کرنے کے) لئے اور نہیں سمجھتے انہیں مگر اہل علم''۔ (العنکبوت: ۴۳)۔ اس آیت کریمہ سے قبل اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مشرکین کے خداؤں کی کمزوری کی مثال مکڑی کے جالے سے دی ہے اس کے بعد یہ فرمایا ہے کہ ہم ایسی واضح مثالوں سے توحید کی حقیقت بیان کرتے ہیں مگر ان مثالوں کے حسن اور فائدہ کو صرف اہل علم ہی سمجھتے ہیں کیوں کہ اللہ کی آیتوں میں تدبر و تفکر انہیں ہی نصیب ہوتی ہے۔ دوسروں میں نہ ہی سوچنے سمجھنے کا مادہ ہوتا ہے اور نہ ہی انہیں غور و فکر کی توفیق ملتی ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے: ﴿وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَ تَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ اٰیٰتٌ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ﴾۔ (ترجمہ): ''اور رات اور دن کے بدلنے میں اور جو کچھ روزی اللہ تعالیٰ آسمان سے نازل فرما کر زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کر دیتا ہے (اس میں)، اور ہواؤں کے بدلنے میں بھی ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو عقل رکھتے ہیں''۔ (الجاثیة: ۵)۔ ایک جگہ فرمایا: ﴿کَذٰلِکَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ ۝﴾۔ (ترجمہ): ''ہم اسی طرح آیات کو صاف صاف بیان کرتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے جو فکر رکھتے ہیں''۔ (یونس: ۲۴)۔ دوسری جگہ فرمایا: ﴿کَذٰلِکَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ﴾۔ (ترجمہ): ''ہم اسی طرح آیات کو صاف صاف بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لئے جو علم رکھنے والے ہیں''۔ (الاعراف: ۳۲)۔ اور ایک جگہ ارشاد ہے: ﴿قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّفْقَهُوْنَ﴾۔ (ترجمہ): ''بے شک ہم نے دلائل خوب کھول کھول کر بیان کر دئے ہیں ان لوگوں کے لئے جو سمجھ بوجھ رکھتے

ہیں“۔(الانعام:۹۸)۔ یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ تعقل،تدبر،تفکر،تفقہ یہ سب علم ہی کے مختلف ثمرات ہیں اور اللہ پاک نے ان آیات میں اپنے بیانات کی سمجھ کو ان کے حاملین کے ساتھ منسوب ومخصوص کر کے علم والوں کی ہی عزت افزائی کی ہے۔

۱۵. کتاب اللہ کے وارث اللہ کے منتخب بندے ہی ہوتے ہیں : اللہ پاک کا ارشاد ہے:﴿ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا﴾ ۔(ترجمہ):”پھر ہم نے ان لوگوں کو اس کتاب کا وارث بنایا جنھیں ہم نے اپنے بندوں میں سے چن لیا تھا“۔(فاطر:۳۲)۔مراد اس سے اس امت کے علماء ہیں اور وہ لوگ ہی کتاب اللہ کے حقیقی وارث کہے جانے کے مستحق ہیں کیوں کہ ان کا انبیاء کا وارث ہونا حدیث شریف میں بھی مذکور ہے جس کا بیان سطور بالا میں ہو چکا ہے۔ اس آیت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کتاب الٰہی کا علم اللہ پاک اپنے منتخب اور پسندیدہ بندوں کو ہی دیتے ہیں۔اس میں بھی اہل علم کے لئے ایک خاص بشارت ہے کہ وہ اللہ کے چنیدہ اور پسندیدہ بندے ہیں۔اسی طرح ایک جگہ باری تعالیٰ عزاسمہ نے فرمایا:﴿بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ﴾ ۔(ترجمہ):”بلکہ یہ(قرآن)تو آیتیں ہیں صاف ان لوگوں کے سینوں میں جن کو عطا کیا گیا ہے علم“۔(العنکبوت:۴۹)۔ یہاں بھی کتاب الٰہی کے سینوں میں محفوظ ہونے کو علماء کے ساتھ خاص کیا ہے،یہ بھی علم والوں کے لئے ایک بڑے اعزاز کی بات ہے۔

۱۶. علم والوں کے درجات کی بلندی کی بشارت : اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ

دَرَجٰتٍ﴾۔ یعنی ’’اللہ تعالیٰ تم میں سے ان لوگوں کے جو ایمان لائے ہیں اور جن کو علم دیا گیا ہے، درجات بلند کردے گا‘‘۔ (المجادلہ:۱۱)۔آیت مقدسہ سے یہ بالکل واضح ہے کہ ایمان اور علم رفع درجات کے بنیادی اسباب ہیں اور اگر یہ دونوں ساتھ ہوں یعنی ایمان کے ساتھ علوم دین سے واقفیت بھی ہو تو یہ مزید رفع درجات کا باعث ہے۔حسن بصریؒ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:’’مَنْ جَائَهُ الْمَوْتُ وَ هُوَ يَطْلُبُ الْعِلْمَ لِيُحْيِيَ بِهِ الْإِسْلَامَ فَبَيْنَهُ وَ بَيْنَ النَّبِيِّيْنَ دَرَجَةٌ وَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ‘‘ یعنی ’’جس شخص کی موت ایسی حالت میں آئے کہ وہ دین کا علم حاصل کر رہا تھا کہ اس کے ذریعے سے اسلام کو زندہ کرے تو جنت میں اس کے اور انبیاء کے درمیان صرف ایک درجے کا فرق رہے گا‘‘۔ (سنن الدارمی، کتاب العلم، باب فِي فَضْلِ الْعِلْمِ وَالْعَالِمِ)۔حسن بصریؒ یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا کہ اے لوگو! اس آیت کو سمجھو اور علم میں رغبت کرو، اللہ تعالیٰ مومن عالم کو جاہل پر کئی درجے بلند فرمائے گا۔ (تفسیر مظہری، جلد ۹، صفحہ ۳۲۰)۔امام غزالیؒ نے اس سلسلے میں عبداللہ بن عباسؓ کا یہ قول نقل کیا ہے:’’للعلماءِ درجاتٌ فوقَ المؤمنينَ بسبعِ مِئةِ درجةٍ، ما بينَ الدرجتينِ مسيرةُ خمسِ مئةِ عامٍ‘‘ یعنی ’’علماء کے درجات عام مومنین کے مقابلہ میں سات سو درجے بلند ہوں گے اور ہر دو درجوں کی درمیانی مسافت پانچ سو برس کی راہ ہوگی‘‘۔ (احیاء علوم الدین، المجلد الاوّل، صفحہ ۲۰)۔

درجات کی بلندی کی یہ بشارت آخرت کے لئے ہی مخصوص نہیں، اس دنیا میں

بھی اللہ پاک اہل علم کے درجات بلند کردیتے ہیں جیسا کہ مشاہدہ بھی ہے کہ لوگوں کی نگاہوں میں اہل علم کی عزت و وقعت ڈالدیتے ہیں، دلوں میں ان کا رعب قائم کردیتے ہیں اور زبان پر ذکر خیر جاری فرمادیتے ہیں، نیز ان کی شخصیت کو مرجع خلائق بنادیتے ہیں۔ امرا، سلاطین اور حکمرانوں کی نگاہیں بھی اہل علم کے سامنے پست رہتی ہیں۔ یہ سب اس دنیا کے نقد انعامات ہیں لیکن ایک مومن کو چاہیے کہ وہ حصول علم سے اللہ تعالی کی رضا، اخروی درجات اور اس کی لازوال نعمتوں کا ہی قصد کرے۔

۱۷. **حکومت کے اهل علم والے هی هیں:** علم کی فضیلت اس بات سے بھی ثابت ہوتی ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالی نے بادشاہت اور حکمرانی کا اہل، اہل علم کو ہی قرار دیا ہے۔ قرآن کریم میں اس کی شہادت بنی اسرائیل سے متعلق ایک واقعہ کے ذیل میں ملتی ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے گزرنے کے بعد پیش آیا جب ان لوگوں نے اپنے نبی جو اکثر مفسرین کے مطابق شمویل علیہ السلام تھے سے یہ فرمائش کی کہ ان کے لئے ایک امیر مقرر کردیں جن کی قیادت میں وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرسکیں کیوں کہ ان دنوں وہ قوم عمالقہ کے بادشاہ جالوت کے مظالم کے شکار تھے۔ چنانچہ شمویل علیہ السلام نے بہ اذن الٰہی ان پر طالوت کو بادشاہ مقرر کردیا لیکن بنی اسرائیل نے ان پر ردوکد کیا اور بجز چند کے سب نے جہاد سے بھی منہ پھیر لیا اور اپنا وعدہ پورا نہ کرسکے۔ اللہ رب العزت نے ان کی اس سرکشی کو اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔ پیش ہے وہ متعلقہ آیت جس سے زیر بحث نکتہ پر استشہاد مطلوب ہے۔ ارشاد باری ہے: ﴿وَ قَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَ نَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ

وَ لَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَ زَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَ الْجِسْمِ وَ اللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾۔

(ترجمہ): ''اور فرمایا انہیں ان کے نبی نے کہ بے شک اللہ نے طالوت کو تمھارے لئے بادشاہ مقرر کر دیا ہے، تو انہوں نے کہا کہ بھلا اس کی حکومت ہم پر کیسے ہو سکتی ہے؟ اس سے تو بہت زیادہ حقدار بادشاہت کے ہم ہیں، اس کو تو مالی کشادگی بھی نہیں دی گئی۔ نبی نے فرمایا، بے شک اللہ نے اسی کو تم پر (فضیلت دی ہے اور بادشاہی کے لئے) چن لیا ہے اور اسے علمی اور جسمانی برتری بھی عطا فرمائی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے اپنا ملک جسے چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ وسعت والا سب کچھ جاننے والا ہے''۔(البقرہ: ۲۴۷)۔

اس آیت سے یہ ظاہر ہے کہ قیادت وسیادت کے لئے مال سے زیادہ علم وعقل اور جسمانی قوت وطاقت کی ضرورت ہے، گو یہ چیزیں بھی اللہ تعالیٰ ہی کی عطا کردہ ہوتی ہیں، اسی لئے آیت کے آخری حصہ میں یہ فرمایا کہ بادشاہت کا حقیقی سبب اللہ تعالیٰ کی عطا ہے، وہ جسے چاہتا ہے ملک کی قیادت سونپ دیتا ہے لیکن اللہ رب العزت نے اس آیت کے ذریعے دنیا والوں کے لئے یہ ضابطہ ضرور مقرر کر دیا ہے کہ اگر تمھیں اپنا امیر یا حاکم منتخب کرنے کی نوبت آئے تو علم وفہم والوں کو ہی ترجیح دو۔ یہ علم اور اہل علم کی فضیلت کی کھلی دلیل ہے۔ کچھ لوگ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہاں علم سے مراد حکمرانی اور سیاست کا علم ہے، تو راقم کو اس سے انکار نہیں، لیکن یہ بات بھی ذہن نشیں رہنی چاہیے کہ بادشاہ کے ذمہ لوگوں کے امور کی اصلاح بھی ہے، جس کے لئے دینی علوم سے وابستگی ضروری ہے۔ اسی

لئے علماء نے یہاں علم سے مراد شریعت کا علم لیا ہے۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں: ''میں کہتا ہوں کہ جب اللہ تعالیٰ نے طالوت کی تعریف اصطفا اور وسعت علم سے فرمائی۔ (اس سے) یہ امر ظاہر ہے کہ علم سے مراد شریعت کا علم ہے کیونکہ اس کی مدد سے ہی دین و دنیا کے امور درست ہوتے ہیں''۔ (تفسیر مظہری، جلد۱، صفحہ ۴۸۵، حاشیہ نمبر۴)۔ ہاں اگر کوئی شخص علم شریعت کے ساتھ ساتھ عصری علوم بالخصوص دنیا کے سیاسی اور معاشی نظام، جغرافیائی حالات اور انتظام عامہ کا بھی ماہر ہو تو احقر کی رائے میں یقیناً وہ شخص قابل ترجیح ہوگا۔

۱۸۔ **علم کو چھپانے کی ممانعت:** اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں علم کو چھپانے سے منع فرمایا ہے اور بالمقابل اس کے اس کی ترویج و اشاعت کو پسند فرمایا ہے، گویا یہ ایک جائیداد عامہ ہے جس پر سب کا یکساں حق ہے اور ان تک پہنچانے کی فکر و سعی اللہ عز و جل کے نزدیک پسندیدہ عمل ہے، یہ بھی علم کی فضیلت و اہمیت کی بڑی دلیل ہے۔ ارشاد باری ہے: ﴿وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ﴾ ۔ (ترجمہ): ''اور جب اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جن کو کتاب عنایت کی گئی تھی یہ عہد لیا کہ تم اسے سب لوگوں سے ضرور بیان کرو گے اور اسے چھپاؤ گے نہیں''۔ (آل عمران: ۱۸۷)۔ اس آیت میں تعلیم کا ایک طرح سے واجب ہونا مذکور ہے یعنی اہل علم پر یہ واجب ہے کہ وہ بے علموں تک علم کو پہنچائے۔ اسی طرح ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَ لَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَ تَكْتُمُوا الْحَقَّ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ ۔ (ترجمہ): ''اور حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط نہ کرو اور نہ حق کو چھپاؤ، جبکہ تم (خود) اس کا علم رکھتے ہو''۔

(البقرہ: ۴۲)۔ایک جگہ اہل کتاب کی مذمت ان الفاظ میں کی گئی ہے:﴿وَ اِنَّ فَرِیْقًا مِّنْهُمْ لَیَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَ هُمْ یَعْلَمُوْنَ﴾۔(ترجمہ):"اور بے شک ان کی ایک جماعت حق کو چھپاتی ہے جان بوجھ کر"۔(البقرہ:۱۴۶)۔ان آیتوں کا حاصل یہ ہے کہ علم پر اپنی اجارہ داری قائم کرنے سے اور کتمان علم سے بچا جائے اور علم کی ترویج و اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا جائے۔

۱۹. علم کے مترادفات اور متعلقات کا زیادہ وارد ہونا: علم کی فضیلت و اہمیت اس بات سے بھی عیاں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں علم اور اس کے مترادف الفاظ کو کثرت سے نازل کیا ہے۔بعض علماء کے مطابق لفظ'علم' جس کا مادہ "ع ل م" ہے کے مشتقات قرآن میں سات سو پچاس (۷۵۰) مرتبہ وارد ہوئے ہے۔ اس طرح الفاظ کے اعداد و شمار کے حساب سے اسے قرآن حکیم میں تیسرا مقام حاصل ہے جبکہ لفظ 'اللہ' اور'رب' علی الترتیب دو ہزار آٹھ سو (۲۸۰۰) اور نو سو پچاس (۹۵۰) ورود کے ساتھ اول و دوئم مقام پر ہے۔اس کے علاوہ الفکر، الفقه، التدبر، التفکر، العقل، الفهم وغیرہ الفاظ کثرت سے وارد ہوئے ہیں۔اسی طرز پر کفار و مشرکین کی مذمت میں ان الفاظ کے اضداد بھی کثرت سے وارد ہوئے ہیں جیسے الظلم، الجهل، لا یفقهون، لا یعقلون، لا یعلمون، بغیر علم، الریب، الظن، الباطل وغیرہ۔اسی طرح پڑھنے لکھنے کی چیزوں کے اسماء و افعال کا کثرت سے وارد ہونا بھی علم کی اہمیت کو ظاہر کرتا ہے مثلاً الرق، القلم، القرطاس، المرقوم، المسطور، المستطر، المکتوب، تنحطه، تملیٰ، یملل، الکاتب، الکتاب، الکتب،

الصحف وغیرہ۔

۲۰. بے علمی کفار و مشرکین کی صفت ھے : کفار و مشرکین کی مذمت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّ لَا هُدًى وَّ لَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ﴾ ۔(ترجمہ): ''بعض لوگ اللہ کے بارے میں بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر روشن کتاب کے جھگڑتے ہیں''۔(الحج:۸)۔ایک جگہ فرمایا ہے:﴿وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا﴾ ۔(ترجمہ): ''اور ان میں اکثر لوگ صرف گمان پر چل رہے ہیں، یقیناً گمان حق (کی معرفت) میں کچھ بھی کام نہیں دے سکتا''۔(یونس:۳۶)۔دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے:﴿بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ﴾ ۔(ترجمہ): ''بلکہ ایسی چیز کی تکذیب کرنے لگے جس کو اپنے احاطہ علمی میں نہیں لائے اور ہنوز ان کو اس کا آخری نتیجہ نہیں ملا''۔(یونس:۳۹)۔

ان آیات سے یہ نتیجہ اخذ کرنا دشوار نہیں کہ بے علمی کفار و مشرکین کی صفت ہے، وہ صرف ظن کے پیچھے بھاگتے ہیں اور قرآن کریم میں تدبر اور اس کے معانی میں غور کئے بغیر اس کی تکذیب کردیتے ہیں۔اس لئے ایک مومن کو چاہیے کہ وہ کفار و مشرکین کی اس صفت کی مماثلت سے بچے اور اپنی عملی زندگی کی راہیں علم کی روشنی میں متعین کرے۔اس کے لئے ضروری ہے کہ کتاب وسنت میں تدبر و تفکر کو اپنی زندگی کا مشن بنائے اور اس راہ کی مشقتوں کو خندہ پیشانی سے بہ نیت رضائے الٰہی برداشت کرے۔تحصیل علم کی کوشش اگر خلوص نیت کے ساتھ ہوگی تو اللہ پاک دل کی دنیا کو ضرور روشن کردیں گے اور اس

ظلمت و تاریکی سے نجات حاصل ہوگی جسے اللہ عز وجل نے کفار و مشرکین کے لئے مخصوص کر رکھا ہے۔

یہ ہیں قرآن کریم میں علم کی فضیلت اور اہمیت کے سلسلے میں اہم نکات جو اس کوتاہ نظر کے مطالعے میں سامنے آئے۔ اگر کوئی صاحب علم وفکر دقت نظر سے قرآن حکیم کا مطالعہ کرے تو نہ جانے اور کتنے نکتے سامنے آئیں گے۔ بہر حال علم کا شوق دلانے اور تحصیل علم کا جذبہ بیدار کرنے کے لئے یہ بھی کافی سے زائد ہے کہ ماننے والوں کے لئے ایک آیت بھی کافی ہے اور نہ ماننے والوں کے لئے تو بہانے ہزار ہیں۔ آخر میں برادران ملت سے یہ اپیل ہے کہ مذکورہ بالا نکات پر غور کریں اور تحصیل علم دین کی طرف متوجہ ہوں کیونکہ بحیثیت مسلم ہماری ذمے داری ہے کہ ہم اپنی زندگی کے تمام امور شرعی علوم کی روشنی میں طے کریں۔ اگر ہم علم سے بے بہرہ رہے تو ان امور کی اصلاح نہیں کر سکتے اور بروز قیامت یہ کہہ کر ہماری جان نہیں چھوٹ سکتی کہ مجھے علم نہ تھا کیونکہ دوسرا سوال یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تم نے علم حاصل کیوں نہیں کیا؟ اس لئے اپنی مشغولیت سے کچھ وقت فارغ کریں اور علماء دین کی رہبری میں دینی کتابوں کا مطالعہ کریں۔ ابتدا دین کی بنیادی باتوں سے ہی کریں اور درجہ بدرجہ احکام شریعہ کے دلائل، حکمتوں اور مقاصد کو جاننے کی کوشش کریں۔ اگر خلوص نیت کے ساتھ سعی مسلسل ہوگی تو کامیابی یقینی ہے۔ اس کے ساتھ ہی اپنے بچوں کو بھی دینی علوم سے آراستہ کریں کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دینی تربیت کی ذمے داری بھی آپ کے کندھوں پر ڈالی ہے۔ اگر وہ دین سے بے بہرہ رہ گئے تو آپ باز پرس سے نہیں بچ سکتے۔ داعیان دین سے یہ اپیل ہے کہ اپنی

دعوت کو علم کے زیور سے مزین کریں۔ دعوت اگر کتاب وسنت کی روشنی میں ہوگی تو زیادہ پراثر ہوگی۔ دوسری حقیقت یہ بھی ہے کہ جس کی وضاحت سطور بالا میں بھی کی گئی کہ قرآن وسنت کا صحیح فہم اور دین کے اسرار ورموز کا انکشاف دعوت کے ماحول میں ہی ہوتا ہے۔ اس لئے جو لوگ کار دعوت سے جڑے ہیں ان کے لئے یہ ایک غنیمت موقع بھی ہے جس سے وہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں لیکن اس میں بھی تدریج کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ علماء سے یہ خصوصی اور مؤدبانہ درخواست ہے کہ وہ علم کی فضیلت اور اہمیت کو عوام کے سامنے زیادہ سے زیادہ بیان کریں اور ان کی دینی اور تعلیمی بیداری کے لئے آگے آئیں۔ اس کے لئے جلسہ جلوس کی نہیں بلکہ زمینی سطح پر لائحہ عمل تیار کرنے کی ضرورت ہے۔ علماء اگر آگے آئیں تو عوام ان کا ساتھ ضرور دیں گے پھر کامیابی نہیں ملنے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ آخر میں اللہ سبحانہ وتعالی سے دعا ہے کہ ہم سب کو علم نافع سے نوازے اور اس کے حصول اور ترویج واشاعت کی تگ ودو میں مشغول رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

قرآن حکیم کا سمجھ کر پڑھنا ہی مطلوب ہے

قرآن کریم عالم انسانیت پر نازل ہونے والی اللہ کی نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت ہے۔ یہ وہ نسخہ کیمیا ہے جس کے ذریعے انسان نہ صرف یہ کہ اپنے خالق حقیقی کی معرفت حاصل کرسکتا ہے بلکہ اپنے وجود کے حقیقی مقاصد کو بھی پہچان سکتا ہے۔ وہ یہ جان سکتا ہے کہ اس کے لئے کامیابی اور نجات کی راہ کون سی ہے اور کس طرز حیات کو اختیار کرنے میں اس کی دنیوی واخروی ذلت ورسوائی اور ناکامیابی ہے۔ اسی لئے اللہ رب العزت نے اسے کتاب ہدایت قرار دیا ہے۔ ارشاد فرمایا: ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ﴾ (ترجمہ): ’’(روزوں کا مہینہ) رمضان کا مہینہ (ہے) جس میں قرآن (اوّل اوّل) نازل ہوا جو لوگوں کا رہنما ہے اور (جس میں) ہدایت کی کھلی نشانیاں ہیں اور (جو حق و باطل کو) الگ الگ کرنے والا ہے‘‘۔ (البقرۃ: ۱۸۵)۔ یعنی راہ ہدایت اور راہ ضلالت اور حق وباطل کے فرق کو اس کتاب الٰہی نے کھول کھول کر بیان کردیا ہے۔ دوسری جگہ اللہ رب العزت نے اسے اپنی نصیحت، لوگوں کے دلوں کی بیماریوں کے لئے شفا، ہدایت اور رحمت قرار دیا ہے۔ ارشاد باری ہے: ﴿یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ﴾ (ترجمہ): ’’اے لوگو! تمہارے

پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت اور دلوں کی بیماریوں کی شفا اور مومنوں کے لئے ہدایت اور رحمت آ پہنچی ہے''۔(یونس:۵۷)۔یعنی یہ کتاب گرچہ تمام عالم انسانیت کے لئے ان کے رب کی طرف سے نصیحت وہدایت ہے لیکن جولوگ اللہ سبحانہ وتعالی کی اس نصیحت کو قبول کر لیتے ہیں، اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس کی ہدایتوں پر عمل کرتے ہیں یہ ان کے روحانی امراض؛ کفروشرک، حب دنیا، حب جاہ، حب مال، تکبر، بغض و عناد، حسد، کینہ، بخل اور خود پسندی وغیرہ جو انسان کے دل کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں کے لئے شفا اور رحمت ثابت ہوتی ہے۔

ظاہر ہے کہ قرآن کریم کے یہ فوائد انسان کو تب ہی حاصل ہو سکتے ہیں جب وہ اس کی تلاوت کرے، اس کی آیتوں میں غور وفکر کرے، اس کے احکام، امر ونواہی اور نصیحت وعبرت آمیز باتوں کو سمجھے اور اس پر عمل پیرا بھی ہو۔اسی لئے اللہ رب العزت نے اپنے رسول کو اور ایمان والوں کو اس کی تلاوت کا حکم فرمایا اور اس کے آداب بھی سکھائے۔ایک جگہ یہ ارشاد فرمایا:﴿اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ﴾ یعنی ''(اے محمد ﷺ!) یہ کتاب جو تمہاری طرف وحی کی گئی ہے اس کی تلاوت کیا کرو'' ۔(العنکبوت:۴۵) تو دوسری جگہ یہ حکم بھی وارد کیا:﴿وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا﴾ یعنی ''قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو''۔(المزمل:۴)۔قرآن کریم کو آہستہ آہستہ اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے کا مقصد صرف یہ نہیں ہے کہ اس کے الفاظ صحیح ڈھنگ سے اور مخارج کے ساتھ ادا ہوں بلکہ یہ بھی ہے کہ اس کے معانی ومطالب کو بھی قاری خوب سمجھتا جائے۔اس کی تائید عبداللہ بن عمروؓ کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں کم سے کم دنوں میں قرآن ختم کرنے کی تحدید کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے:''لَا یَفْقَهُ مَنْ قَرَأَ

الْقُرآنَ فِي أَقَلَّ مِنْ ثَلاثٍ" یعنی جس نے قرآن تین دن سے کم میں پڑھا وہ اس کے معانی کو نہیں سمجھ سکا۔ (سنن ابی داود، کتاب الصلاۃ، بَابُ تَحْزِيبِ الْقُرآن)۔ اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ تلاوت میں قرآن کا سمجھ کر پڑھنا ہی مطلوب ہے۔

اتنا ہی نہیں قرآن کریم نے اپنے نزول کا مقصد دوسری جگہ واضح طور پر تدبر و تذکر کو ہی بتایا ہے۔ ﴿کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْکَ مُبٰرَکٌ لِّیَدَّبَّرُوْٓا اٰیٰتِهٖ وَلِیَتَذَکَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ یعنی "(یہ) کتاب جو ہم نے تم پر نازل کی ہے بابرکت ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور تاکہ اہل عقل نصیحت پکڑیں"۔ (صٓ:۲۹)۔ اس آیت سے یہ سمجھنا دشوار نہیں کہ قرآن حکیم کی آیتوں میں تدبر و تفکر اس کے نزول کے بنیادی مقاصد میں سے ہے۔ امام محمد بن احمد بن ابوبکر قرطبیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "یہ آیت اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: ﴿اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا﴾ (محمد:۲۴) قرآن میں غور و فکر کرنے کے وجوب پر دلالت کرتا ہے تاکہ اس کے معنی کو جان لیا جائے"۔ (تفسیر قرطبی اردو، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور۔ کراچی، پاکستان، اشاعت ۲۰۱۲ء، جلد۳، صفحہ ۲۹۳)۔ یعنی ان کے نزدیک قرآن کی آیتوں میں غور و فکر کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے۔ لیکن ایک حیرت انگیز اور افسوسناک طرز فکر جو مسلمانوں میں پیدا ہو گئی اور جس کے پیدا کرنے اور بڑھانے میں روایتی دینی درسگاہوں کے فارغین کا بڑا رول ہے کہ عام مسلمانوں کے لئے قرآن پاک کی تلاوت کافی ہے اور اس کی آیتوں میں غور و فکر کرنا اور ان کے معنی و مطالب کو سمجھنا صرف علماء (مراد مروّجہ مدرسوں کے فارغین ہیں) کا کام ہے گویا یہ کتاب صرف علماء کے لئے نازل ہوئی تھی عوام کے لئے نہیں! جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اس کی آیتوں میں غور و فکر کرنے، ان کے معنی و مطالب کو

سمجھنے اوران پر عمل کرنے کے بعد ہی ایک شخص عالم کہلانے کا مستحق ہوسکتا ہے۔ البتہ یہ ایک حقیقت ہے کہ جیسے جیسے انسان علم میں ترقی کرتا جاتا ہے اس پر قرآن کی آیتوں کے اسرار ورموز مزید سے مزید تر منکشف ہوتے جاتے ہیں۔

سورۃ محمد کی مذکورہ آیت نمبر ۲۴ کے مثل ایک آیت سورۃ النساء میں ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: ﴿افلا یتدبرون القرآن ط ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا﴾ ۔ (ترجمہ): ''بھلا یہ قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے؟ اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کا (کلام) ہوتا تو اس میں (بہت سا) اختلاف پاتے''۔ (النسآء: ۸۲)۔ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتیؒ اس آیت کی تفسیر میں یہ فرماتے ہیں: ''یتدبرون القرآن میں واؤ ضمیر سے مراد منافق ہیں، یعنی کیا منافق قرآن حکیم کے الفاظ اور معانی میں تدبر نہیں کرتے اور اس میں جو غرائب ہیں ان میں نظر وفکر نہیں کرتے تا کہ ان پر یہ حقیقت ظاہر ہو جائے کہ یہ انسان کا کلام نہیں کہ انہیں ایمان کی نعمت حاصل ہو جاتی اور وہ نفاق کو چھوڑ دیتے''۔ (تفسیر مظہری اردو، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور ۔کراچی، پاکستان، اشاعت ۲۰۰۲ء، جلد ۲، صفحہ ۴۲۴)۔

ذرا غور کیجئے کہ قرن اولی کے منافقوں سے بھی یہ توقع کی جارہی تھی کہ وہ قرآن میں غور وفکر کریں تا کہ ان کے ایمان واعمال کی اصلاح ہو لیکن اب ایک مسلمان سے بھی اس کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ یہ اسی انداز فکر کا نتیجہ ہے جس کا ذکر راقم نے سطور بالا میں کیا ہے۔ ہمارے ذہنوں میں یہ بٹھایا گیا ہے کہ تم قرآن کو نہیں سمجھ سکتے اس لئے اس میں غور وفکر کرنے کے بجائے صرف ثواب اور برکت کی خاطر اس کے الفاظ کی تلاوت کرتے جاؤ گرچہ بہت سے بدنصیب تو ایسے بھی ہیں جنہیں فقط الفاظ کی تلاوت

کی بھی توفیق نہیں ہوتی۔ بلاشبہ قرآن حکیم کی تلاوت گو وہ معنی ومطالب کو سمجھے بغیر ہو ثواب، برکت اور نفع سے خالی نہیں لیکن کیا اس سے نزول قرآن کا مقصد پورا ہو جاتا ہے؟ نہیں اور قطعاً نہیں! کوئی بھی کتاب یا تحریر جس کے اندر کچھ ہدایات ہوں اس کو سمجھے بغیر پڑھنا اس کی تالیف وتصنیف کے بنیادی مقاصد کو پورا نہیں کر سکتا۔ یہ ٹھیک ویسے ہی ہے جیسے ایک مریض کا ڈاکٹر کا لکھا ہوا نسخہ اس کی تجویزات کو سمجھے بغیر پڑھتے رہنا اور اس سے شفا کی امید رکھنا۔

سوال یہ بھی ہے کہ جس کتاب کو اللہ رب العزت نے عالم انسانیت کی ہدایت کے لئے نازل کیا ہو وہ اتنی مشکل کیسے ہو سکتی ہے کہ لوگوں کو سمجھ میں ہی نہ آئے؟ آخر کیا ہے اس میں؟ کن موضوعات سے یہ بحث کرتی ہے؟ یہ وہ سوالات ہیں جو دین کے ایک عام طالب علم کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں۔ اگر آپ ان کا جواب قرآن میں تلاش کریں تو آپ پائیں گے کہ اس میں کائنات میں موجود اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی بنیاد پر جو لوگوں کے روزمرہ کے مشاہدے میں ہیں، اللہ کے وجود اور اس کی وحدانیت کے دلائل دئے گئے ہیں، نبی کریم ﷺ کی رسالت کے دلائل ہیں، دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی حقیقت کے بیانات ہیں، انسان کی زندگی کے مقاصد کی وضاحتیں ہیں، اخلاق حسنہ کی تعلیم ہے اور اخلاق رذیلہ سے بچنے کی نصیحتیں ہیں، اعمال صالحہ کی ترغیبات اور ان سے متعلق بشارتیں ہیں، اعمال قبیحہ سے بچنے کی ہدایات اور ان سے متعلق وعیدیں ہیں، قصص وواقعات ہیں جن سے انسان عبرت حاصل کر سکے اور اوامر ونواہی یعنی احکام ہیں جن کا تعلق انسان کی زندگی سے ہے۔ ان میں ایسی کیا چیز ہے جو ایک تعلیم یافتہ انسان کے سمجھ میں نہ آسکے؟ ہاں یہ ضرور ہے کہ قرآنی آیتوں سے مسائل کی تخریج اور فقہی استنباط

ہر کسی کے بس میں نہیں لیکن علم کا وہ مقام جہاں یہ صفات حاصل ہوتی ہیں درجہ بدرجہ مطالعہ اور تدبر و تفکر سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔

نیز یہ بھی دیکھنے کی بات ہے کہ احکام سے متعلق آیات بھی کتنی ہیں؟ علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے امام غزالیؒ کے حوالہ سے ان کی تعداد پانچ سو بتائی ہے اور ایک دوسرا قول ایک سو پچاس آیتوں کا بھی نقل کیا ہے۔ (الاتقان فی علوم القرآن اردو، دارالاشاعت، کراچی، ۲۰۰۸ء، جلد ۲، صفحہ ۲۷۸)۔ ان سب کو اگر یکجا کیا جائے تو ان کی مقدار دو ڈھائی پارے کی مقدار سے زیادہ نہیں ہوگی۔ فرض کر لیجئے کہ اگر اتنی آیتیں صرف علماء ہی سمجھ سکتے ہیں تو باقی بچے ہوئے حصے کے بارے میں آپ کیا کہیں گے؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ طرز فکر لچر دلیلوں پر ہی ٹکی ہے خصوصاً تب جبکہ علماء نے ان آیات کی تشریح بھی کر دی ہو۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے تو یہ اعلان عام پہلے ہی کیا ہوا ہے کہ قرآن مجید رشد و ہدایت کی آسان کتاب ہے۔ ارشاد ہے: ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ﴾ (ترجمہ): ''اور تحقیق ہم نے قرآن کو نصیحت (سمجھنے) کے لئے آسان کر دیا ہے تو کیا کوئی ہے نصیحت حاصل کرنے والا (کہ سوچے سمجھے اور عبرت پکڑے)؟'' ۔ (القمر : ۱۷)۔ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ قرآن سے نصیحت اور عبرت حاصل کرنا بالکل آسان ہے، بس ضرورت ہے تو اس سلسلے میں نیک نیتی سے سعی اور جد و جہد کی لیکن ہم لوگوں نے اسے مشکل بتا کر امت کے ایک بڑے طبقے کو قرآن سے دور کر دیا حالانکہ انسان اگر اخلاص کے ساتھ اور ہدایت کی طلب میں معنی پر غور و فکر کرتے ہوئے قرآن کا مطالعہ کرے تو اسے ضرور بالضرور ہدایت ملے گی۔

ہندوستان کے صف اول کے محدث و مجدد شاہ ولی اللہ دہلویؒ (متوفی ۱۱۷۶ھ)

نے سب سے پہلے اس نظریے کی تردید کی اور عوام تک قرآن کو پہنچانے کے لئے اپنے دور کی عام زبان یعنی فارسی میں قرآن کا ترجمہ کیا اور بعدہٗ ان کے اس مشن کو ان کے لائق فرزندان ارجمند شاہ عبد القادر دہلویؒ (متوفی ۱۲۳۰ھ) اور شاہ رفیع الدین دہلویؒ (متوفی ۱۲۳۳ھ) نے اردو تراجم کے ساتھ اور شاہ عبدالعزیز دہلویؒ (متوفی ۱۲۳۹ھ) نے دہلی جیسے مرکزی شہر میں ۱۲ ـ ۶۳ سال تک درس قرآن کا سلسلہ جاری رکھ کر آگے بڑھایا۔ اسی خانوادے سے تعلق رکھنے والے شاہ اسمٰعیل شہیدؒ جن کو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ نے حجۃ الاسلام، تاج المفسرین، فخر المحدثین، سرآمد علمائے محققین جیسے القاب سے نوازا ہے اور انہیں علمائے ربانی میں سے شمار کیا ہے، اپنی شہرہ آفاق تصنیف ''تقویۃ الایمان'' میں اس باطل نظریے کی تردید میں یوں رقمطراز ہیں: ''عوام میں یہ بات مشہور ہے کہ قرآن وحدیث کو سمجھنا بڑا مشکل ہے، اس کے لئے بڑے علم کی ضرورت ہے، ہم جاہل کس طرح سمجھ سکتے ہیں اور کس طرح اس کے موافق عمل کر سکتے ہیں، اس پر عمل بھی صرف ولی اور بزرگ ہی کر سکتے ہیں، ان کا خیال قطعی بے بنیاد ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ قرآن پاک کی باتیں صاف صاف اور سلجھی ہوئی ہیں: ﴿وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْکَ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ وَمَا يَکْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ﴾ ۔'بلاشبہ ہم نے آپ ﷺ پر صاف صاف آیتیں اتاری ہیں ان کا انکار فاسق ہی کرتے ہیں'۔ (البقرۃ:۹۹)۔ یعنی ان کا سمجھنا کچھ بھی مشکل نہیں نہایت آسان ہے البتہ ان پر عمل کرنا مشکل ہے، کیونکہ نفس کو فرماں برداری مشکل معلوم ہوتی ہے، اسی لئے نافرمان ان کو نہیں مانتے''۔ آگے فرماتے ہیں: ''قرآن وحدیث کو سمجھنے کے لئے کچھ زیادہ علم کی ضرورت نہیں، کیونکہ پیغمبر نادانوں کو راہ بتانے کے لئے، جاہلوں کو سمجھانے کے لئے اور بے علموں

کوعلم سکھانے ہی کے لئے ہی آئے تھے، فرمایا: ﴿هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ ـ 'اسی نے ناخواندوں میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو انہیں (شرک وکفر سے) پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ یقیناً پہلے وہ کھلی گمراہی میں تھے'۔ (سورة الجمعة: ۲)۔ یعنی حق تعالیٰ کی یہ بڑی زبردست نعمت ہے کہ اس نے ایسا رسول مبعوث فرمایا جس نے ناواقفوں کو واقف، ناپاکوں کو پاک، جاہلوں کو عالم، نادانوں کو دانا اور گمراہوں کو راہ یافتہ بنا دیا۔ اس آیت کو سمجھنے کے بعد اب بھی اگر کوئی شخص یہ کہنے لگے کہ قرآن سمجھنا عالموں اور اس پر عمل کرنا بڑے بڑے بزرگوں ہی کا کام ہے تو اس نے اس آیت کو ٹھکرا دیا اور رب کی اس جلیل الشان نعمت کی ناقدری کی بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ اس کو سمجھ کر جاہل عالم اور گمراہ عمل کر کے بزرگ بن جاتے ہیں"۔ (شاہ اسمٰعیل شہیدؒ، تقویۃ الایمان، مکتبہ دعوت وتوعیۃ الجالیات، ربوہ، ریاض، سعودی عرب، صفحات ۳۷-۳۹)۔

ان حضرات کے ان تجدیدی خیالات اور متعلقہ کوششوں کے بعد برصغیر میں قرآن مجید کا ترجمہ اردو اور دیگر زبانوں میں ہونے کی راہیں کھلیں۔ اس کے بعد تو مختلف زبانوں میں ترجموں کا ایک سیلاب رواں ہوگیا۔ ایک جائزے کے مطابق اب تک قرآن کریم کا جزوی ترجمہ ۱۱۹ر بین الاقوامی زبانوں میں اور مکمل ترجمہ ۶۱ ر بین الاقوامی اور ۱۵ ر ہندوستانی زبانوں میں ہو چکا ہے۔ برصغیر کے کئی جید اور معتبر عالموں نے اردو زبان میں قرآن کریم کی تفسیریں نہایت سہل انداز میں لکھیں تا کہ عوام کا طبقہ ان سے مستفیض ہوسکے۔ ان کے علاوہ عربی کی معرکۃ الآرا تفاسیر مثلاً تفسیر ابن کثیر، تفسیر

القرطبی، تفسیر الدرّ المنثور، تفسیر جلالین، تفسیر البغوی، تفسیر مظہری، تفسیر روح البیان وغیرہ کا اردو میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ اب لوگ ان کتب کے انگلش، ہندی و دیگر زبانوں میں ترجمہ کرنے کی طرف متوجہ ہوئے ہیں بلکہ تفسیر ابن کثیر کا ترجمہ انگلش میں مکمل ہو چکا ہے۔ ان کے علاوہ اردو کی مشہور تفاسیر بھی انگلش اور ہندی میں منتقل ہو رہی ہیں۔ ان کاوشوں نے قرآن کریم کو سمجھنا اب اور بھی آسان کر دیا ہے۔

لیکن بہت افسوس کے ساتھ یہ لکھنے پر مجبور ہوں کہ ان تمام کاوشوں کے باوجود اس فکر میں کوئی خاص تبدیلی واقع نہیں ہوئی کہ قرآن کا سمجھنا بس عالموں کا ہی کام ہے۔ اب بھی بعض روایتی عالموں (مراد مروجہ مدرسوں کے فارغین ہیں) سے یہ سننے کو مل جاتا ہے۔ عصری تعلیم سے وابستہ افراد اگر مطالعہ قرآن کی طرف راغب بھی ہوتے ہیں تو یہ روایتی علماء بجائے حوصلہ افزائی کے ان کی حوصلہ شکنی کرتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ علم پر گویا ان کی ہی اجارہ داری ہو۔ ایسا کر کے یہ لوگ نہ صرف یہ کہ قرآن فہمی سے لوگوں کو دور کر دیتے ہیں بلکہ اکابر علماء کی ان کاوشوں پر بھی پانی پھیر دیتے ہیں جو انہوں نے قرآن اور اس کی تفاسیر کو اردو اور دوسری زبانوں میں منتقل کر کے عصری تعلیم یافتہ افراد تک پہنچانے کے سلسلے میں کی ہیں۔ راقم کے خیال میں اس بیش بہا دینی علمی ذخیرہ سے استفادہ نہ کرنا جو اکابر علماء نے اردو اور دوسری زبانوں میں منتقل کر کے ہم تک پہنچا دیا ہے، کفران نعمت ہے۔ علماء کو چاہیے کہ وہ غیر عربی داں تعلیم یافتہ افراد کو بھی قرآن سے جوڑنے کی فکر کریں تا کہ ان کے عقائد و اعمال کی اصلاح ہو اور وہ مغربی تہذیب کے دانش عصری تعلیمی اداروں کے مضر اثرات سے بھی محفوظ رہ سکیں۔ نیز امت میں ایسے افراد کا ہونا بھی ضروری ہے جو مغربی تہذیب سے متاثر اور خود کو روشن خیال تصور کرنے والے

حلقوں سے اسلام اور اسلامی تہذیب کے خلاف اٹھنے والے سوالات واعتراضات کا جواب انہیں کی زبان واسلوب میں دے سکیں۔ عصری تعلیم سے وابستہ افراد تک علم دین پہنچانے کے اور بھی فوائد ہیں جن کی نشاندہی راقم اپنے ایک سابقہ مضمون میں جس کا عنوان ''عصری تعلیم سے وابستہ افراد کے لئے علم دین کیوں ضروری ہے؟'' تھا، پہلے ہی کر چکا ہے۔ علماء کو تو یہ چاہیے کہ وہ عصری تعلیمی اداروں میں طلباء اور اساتذہ کے لئے اسلامی معلومات پر مبنی قلیل مدتی کورسز (Short Term Courses) کا وقتاً فوقتاً انعقاد کریں تا کہ اسلام کی صحیح جانکاری ان تک پہنچ سکے اور اسلام سے ان کا لگاؤ بڑھے۔ بڑے مدارس کے ذمہ داران اگر چاہیں تو اس طرح کے پروگرام منظم ڈھنگ سے چلا سکتے ہیں لیکن اس طرح کے توسیعی کام (Extension Work) کی طرف ان کا ذہن ہی نہیں جاتا برعکس اس کے عصری اداروں کے جو لوگ خود سے دینی علوم کی طرف راغب ہوتے ہیں ان کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ علماء عصری تعلیم سے وابستہ افراد کی اصلاح سے بالکل غافل ہیں۔ ان کو ان کے حال پر چھوڑ رکھا ہے اور اس کے نتیجے میں جب وہاں سے سلمان رشدی، تسلیمہ نسرین اور طارق فتح جیسے لوگ پیدا ہوتے ہیں تو واویلا مچاتے ہیں۔

عصری تعلیم سے وابستہ افراد بلکہ ہر پڑھے لکھے مسلمان کو چاہیے کہ وہ اللہ کی کتاب سے اپنا رشتہ جوڑیں۔ روزانہ قرآن پاک کی تلاوت معنی ومطالب کے ساتھ کریں۔ اردو، ہندی اور انگلش ہر زبان میں قرآن کے مستند تراجم وتفاسیر موجود ہیں اس لئے کسی کے لئے کوئی عذر نہیں ہے۔ اگر دو صفحات بھی روزانہ اس طرح تلاوت کی جائے تو اس کے حیرت انگیز نتائج سامنے آئیں گے۔ یہ قطعی نہ سوچیں کہ ہمیں سمجھ میں نہیں آئے

گا، جب آپ فزکس، کیمسٹری، بایولوجی، کمپیوٹر سائنس، اکانومکس وغیرہ جیسے پیچیدہ دنیوی علوم کو سمجھ سکتے ہیں تو قرآن پاک کو کیوں نہیں سمجھ سکتے جس کا تعلق آپ کی زندگی سے ہے؟ بس قدم بڑھانے کی ضرورت ہے۔ کبھی اس پر بھی غور کریں کہ اپنے جیسے انسانوں کی لکھی ہوئی کتابیں جن میں بہت سے فاسق وفاجر بھی ہوتے ہیں محض چند دنوں کے دنیوی فوائد حاصل کرنے کے لئے آپ دن رات پڑھتے ہیں لیکن اگر نہیں پڑھتے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی کتاب جس سے دنیا وآخرت دونوں کی کامیابی وابستہ ہے۔ آخر اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے ہم کیا عذر پیش کرسکیں گے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم روز قیامت بارگاہ خداوندی میں یہ شکایت درج کریں گے کہ اے میرے رب! بے شک میری قوم نے اس قرآن پاک کو چھوڑ رکھا تھا: ﴿وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا﴾ (الفرقان: ۳۰)؟ اس لئے اس کار خیر کی ابتدا بلاتاخیر آج ہی سے کردیجئے۔ ترجمہ یا تفسیر کے انتخاب کے سلسلے میں اگر کسی طالب کو مشورے کی ضرورت ہو تو راقم سے رابطہ قائم کرسکتے ہیں۔ اللہ پاک ہم سب کو عمل کی توفیق عنایت کرے۔ آمین!

☆☆☆☆☆

قرآن کریم اور غور و فکر کے مناہج

انسانی وجود کا تجزیہ اگر قرآن کریم کی روشنی میں کیا جائے تو پانچ بنیادی اجزاء سامنے آتے ہیں؛ جسم (Body, Physique)، قلب (Heart)، نفس (Self or Soul)، روح (Spirit) اور عقل (Mind, Intellect)۔ گویا انسان ان پانچ بنیادی اجزاء کا مرکب ہے اور ان میں سے کسی کے بغیر انسانی وجود کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ جسم، جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں مختلف اعضاء یا عضویاتی نظام کا مجموعہ ہے اور مادی اشیاء سے بنا ہوا ہے جس کا مطالعہ ہم لوگ علم تشریح الاعضاء (Anatomy)، علم افعال الاعضاء (Physiology)، علم الحیات (Biology) اور بایو کیمسٹری (Biochemistry) وغیرہ شعبوں میں کرتے ہیں۔ لفظ 'جسم' (مادہ ''ج س م'') کا استعمال قرآن کریم نے درج ذیل آیت میں کیا ہے:

﴿وَ قَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ط قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَ نَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَ لَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ط قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَ زَادَهٗ بَسْطَةً فِى الْعِلْمِ وَ الْجِسْمِ ط وَ اللّٰهُ يُؤْتِىْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ط وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾ ۔(ترجمہ): ''اور فرمایا انہیں ان کے نبی نے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے طالوت کو تمھارے لئے بادشاہ مقرر کر دیا ہے، تو انہوں نے کہا کہ بھلا اس کی حکومت ہم پر کیسے ہو سکتی ہے؟ اس سے تو بہت زیادہ حقدار

بادشاہت کے ہم ہیں، اس کوتو مالی کشادگی بھی نہیں دی گئی۔نبیؑ نے فرمایا، بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اسی کوتم پر (فضیلت دی ہے اور حکمرانی کے لئے) چن لیا ہے اور اسے زیادہ وسعت دی ہے علم اور جسم میں۔ اور اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے اپنا ملک جسے چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ وسعت والا سب کچھ جاننے والا ہے"۔(البقرہ: ۲۴۷)۔

یہاں طالوت کو بنی اسرائیل پر بادشاہ مقرر کئے جانے کی وجوہ ترجیح بیان کی گئی ہیں اور لفظ 'الجسم' سے جسمانی قوت وصلاحیت مراد لیا گیا ہے۔اس کے علاوہ لفظ 'الجسم' صرف ایک جگہ جمع کے صیغے میں سورۃ المنافقون کی آیت نمبر۴ میں آیا ہے جو 'ھُم' ضمیر سے مل کر 'اَجسَامُھُم' بن گیا ہے۔اسی طرح لفظ 'قلب' جس کا مادہ "ق ل ب" ہے کا استعمال قرآن کریم میں مختلف صورتوں میں ۱۶۸ جگہوں پر ہوا ہے۔ یہاں مثال کے طور پر صرف دو آیتوں کو پیش کیا جارہا ہے:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِہٖ وَاَنَّہٗٓ اِلَیْہِ تُحْشَرُوْنَ﴾ ۔ (ترجمہ): "اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول (کی دعوت) قبول کرو جب وہ تمھیں ایسے کام کے لئے بلائیں جو تمھیں زندگی بخشے، اور جان لو کہ اللہ حائل ہو جاتا ہے آدمی اور اس کے قلب (دل) کے درمیان اور یہ بھی کہ تم اسی کی طرف اٹھائے جاؤ گے"۔ (الانفال:۲۴)۔

﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَہٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَھُوَ شَھِیْدٌ﴾ ۔ (ترجمہ): "بے شک اس میں نصیحت (بڑی عبرت) ہے اس کے لئے جس

کا دل (بیدار) ہو، یا کان لگائے اور وہ متوجہ ہو"۔ (ق: ۳۷)۔

ان آیات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قلب انسانی وجود کا وہ جزء ہے جس کا تعلق نیت وارادہ سے ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے محبت، نفرت، غصہ، پیار، ہمت، دلیری و بے باکی، بزدلی، خوشی، غم، پسند، ناپسند، لالچ، کنجوسی، فراخدلی، جود وسخا، امید و خوف، خوشدلی اور بددلی وغیرہ جذبات کا محل قلب کو بتایا ہے۔ (رحمۃ اللہ الواسعہ شرح حجۃ اللہ البالغہ از مفتی سعید احمد پالنپوری، مکتبہ حجاز، دیوبند، ۲۰۰۳ء، جلد۴، صفحات ۴۱۴، ۴۱۶، ۴۱۸)۔ قرآن کریم سے یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ قلب سے علم کا بھی تعلق ہے جبکہ عام طور پر لوگ علم کا تعلق دماغ سے ہی سمجھتے ہیں۔ اس بات کا اشارہ سورۃ التوبہ: ۹۳، الروم: ۵۹ اور سورۃ محمد کی آیت نمبر ۲۴ میں ملتا ہے۔ گوکہ میڈیکل سائنس نے اب تک اس کی تصدیق نہیں کی ہے لیکن امید قوی ہے کہ ان شاء اللہ آنے والے دنوں میں یہ چیز ضرور ثابت ہوگی۔

نفس، انسانی وجود کا وہ حصہ ہے جس کا تعلق خواہشات، فطری رجحانات، تجربات اور موروثی خصوصیات (Hereditory Characteristics) وغیرہ سے ہے جو انسانی شخصیت کی پہچان بنتے ہیں اور جن کی بنیاد پر ہی دو انسانوں کے درمیان فرق کیا جاتا ہے۔ نفس (نَفْسٌ) جس کا مادہ "ن ف س" ہے اپنی مختلف شکلوں میں قرآن کریم میں لگ بھگ ۲۹۸ جگہ وارد ہوا ہے۔ مثال کے طور پر سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۴۸ میں "نَفْسٌ"، آیت نمبر ۴۴ میں "اَنْفُسَكُمْ"، آیت نمبر ۵۷ میں "اَنْفُسَهُمْ"، آیت نمبر ۷۲ میں "نَفْسًا"، آیت نمبر ۸۷ میں "اَنْفُسُكُمْ"، آیت نمبر ۲۸۴ میں

''اَنۡفُسَکُمۡ'' اور سورۃ النساء کی آیت نمبر ۷۹ میں ''نَفۡسِکَ'' وغیرہ۔ قرآن کریم میں اس کا بھی اشارہ ملتا ہے کہ نفس تین طرح کا ہوتا ہے: نفس امارہ، نفس لوامہ اور نفس مطمئنہ۔ نفس امارہ انسان کو گناہوں کی طرف اکساتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکموں کی پروا کئے بغیر خواہشات کو پورا کرنے کی دعوت دیتا ہے جیسا کہ سورہ یوسف کی آیت نمبر ۵۳ میں اشارہ کیا گیا ہے۔ نفس لوامہ جس کا تذکرہ سورہ القیامہ کی آیت نمبر ۲ میں ہے، انسان کو اس کی غلطیوں پر ملامت کرتا ہے اور اسے توبہ کی طرف مائل کرتا ہے۔ نفس مطمئنہ جیسا کہ نام سے ہی ظاہر ہے اپنے رب سے راضی اور شرعی احکام پر مطمئن ہوتا ہے۔ اسے اللہ کے احکام کو پورا کرنے میں مزہ آتا ہے اور خوشی محسوس ہوتی ہے۔ اس طرح کے نفس کا حوالہ سورہ الفجر کی آیت نمبر ۲۷ میں ملتا ہے۔

انسان کے جسم میں روح کی موجودگی کا حوالہ قرآن کریم میں سورۃ الحجر کی آیت ۲۹ اور سورۃ سجدہ کی آیت نمبر ۹ میں دیکھا جا سکتا ہے گو کہ لفظ ''روح'' مختلف معنوں میں قرآن کریم میں ۲۱ جگہ استعمال ہوا ہے بشمول ان ۱۰ مقامات کے جہاں یہ 'جان' کے معنی میں آیا ہے۔ آیتیں علی الترتیب اس طرح ہیں:

﴿فَاِذَا سَوَّيۡتُهٗ وَ نَفَخۡتُ فِيۡهِ مِنۡ رُّوۡحِىۡ فَقَعُوۡا لَهٗ سٰجِدِيۡنَ﴾۔

(ترجمہ): ''سو جب میں اس کو پوری طرح بنا لوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم سب اس کے آگے سجدہ میں گر جانا''۔ (الحجر: ۲۹)۔

﴿ثُمَّ سَوّٰٮهُ وَنَفَخَ فِيۡهِ مِنۡ رُّوۡحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمۡعَ وَالۡاَبۡصَارَ وَالۡاَفۡـِٕدَةَ قَلِيۡلًا مَّا تَشۡكُرُوۡنَ﴾۔ (ترجمہ): ''پھر اسے ٹھیک ٹھاک کر کے اس میں

اپنی روح پھونکی اور تمہارے لئے کان، آنکھیں اور دل پیدا کئے (لیکن) تم لوگ شکر تھوڑا ہی کرتے ہو"۔ (السجدة:۹)۔

ان آیتوں سے یہ بھی واضح ہے کہ حیات کے لئے روح ہی ذمے دار ہے اور اسی کی وجہ سے تمام اعضاء اپنے اپنے کام کے لائق ہوتے ہیں۔ روح کی ماہیت اور صفات کو قرآن نے حتمی طور پر واضح نہیں کیا ہے بلکہ صرف اتنا بتایا ہے کہ یہ اللہ کا ایک امر ہے اور انسان کو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿وَ یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ ط قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَ مَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا﴾۔ (ترجمہ): "اور (یہ لوگ) آپ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں، آپ کہہ دیں کہ روح میرے رب کے حکم سے ہے اور تم لوگوں کو علم نہیں دیا گیا مگر بہت ہی تھوڑا سا"۔ (سورۃ بنی اسرائیل:۸۵)۔ گویا یہ اس بات کا اشارہ ہے کہ اس تھوڑے علم سے انسان روح کی ماہیت کو نہیں سمجھ سکتا۔ حدیث میں بھی صرف اتنا بتایا گیا ہے کہ شکم مادر میں بچے کی تخلیق کی بنیاد پڑنے سے ۱۲۰/ دنوں بعد ایک فرشتہ آکر روح پھونک جاتا ہے۔ (اربعین از امام نوویؒ، البدر پبلی کیشنز، اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۹ء، حدیث نمبر۴، بروایت عبداللہ بن مسعودؓ)۔ اس لئے روح آج تک سائنس دانوں کے لئے بھی ایک راز (Mystery) ہی ہے۔

اب رہا عقل، تو یہ وہ چیز ہے جس کے ذریعے انسان ان چیزوں کا ادراک کرتا ہے جن کا ادراک حواس ظاہرہ سے ممکن نہیں۔ اس کی جگہ دماغ (Brain) ہے اور اس کا کام حواس خمسہ کے ذریعے فراہم کردہ اطلاعات کی مراد کو سمجھنا، ان کی حقیقت تک پہنچنا

اور ان کی وضاحت کرنا ہے۔ ذہن کی تمام قوتوں مثلاً قوت ادراک (Power of Consciousness)، قوت فہم وفراست (Power of Understanding)، قوت امتیاز (Power of Discrimination)، قوت فکر (Power of Thinking)، قوت تخیل (Power of Imagination)، قوت استدلال (Power of Argumentation)، قوت فیصلہ (Power of Drawing Conclusion)، قوت تنقید وتشخیص (Power of Criticism & Evaluation)، قوت تجزیہ وترکیب (Power of Analysis & Synthesis) وغیرہ کا تعلق عقل سے ہی ہے۔ عقل کے ذریعے انسان بھلے برے میں فرق کرتا ہے، فوائد ونقصانات کو سمجھتا ہے اور اس کے مطابق ہی اپنے دنیوی واخروی تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔ اس کے ذریعے ہی انسان کائنات میں پھیلی ہوئی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کا ادراک کرتا ہے جو اسے وحدانیت اور ایمان کی طرف گامزن کرتی ہے۔ یہ انسان کے اوپر اللہ کی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت ہے جس سے حیوانات کو محروم رکھا گیا ہے اور اسی کی وجہ سے انسان شریعت کا مکلف بنایا گیا ہے۔

انسانی وجود میں عقل کی موجودگی کا حوالہ اس لفظ کے مادہ ''ع ق ل'' کے مختلف مشتقات کی شکل میں قرآن کی ۴۹ آیات میں ہے جن سے اس کی کچھ صفات کا بھی پتہ چلتا ہے، مثال کے طور پر سورۃ البقرۃ: ۴۴، ۷۵، ۱۶۴، النحل: ۱۲، الروم: ۲۴، الرعد: ۴ وغیرہ۔ لفظ عقل کے علاوہ شعبہ عقل کی نمائندگی قرآن میں کچھ دوسرے الفاظ کے ساتھ

بھی ہوئی ہے۔ جیسے لُــبّ (البقرہ:۱۷۹،۱۹۷،۲۶۹؛ آل عمران:۷،۱۹۰؛ الرعد:۱۹ وغیرہ)، قـلـب (ق:۳۷)،فواد (الملک:۲۳؛بنی اسرائیل:۳۶)،الـحلم (النور: ۵۸، ۵۹؛ الطور:۳۲)،حِـجر (الفجر:۵)اور نُہی (واحد النُّھیۃ)(طٰہٰ:۱۲۸)وغیرہ۔ قرآن کریم نے اعضاء حسی اور عقل کے استعمال پر کافی زور دیا ہے۔ارشاد ہے:﴿وَاللّٰہُ اَخْرَجَکُمْ مِنْ بُطُوْنِ اُمَّھٰتِکُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَیْئًا وَّ جَعَلَ لَکُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَ الْاَفْئِدَۃَ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ﴾ ۔یعنی ''اللہ تعالیٰ نے تم کو تمہاری ماؤں کے بطن سے (ایسی حالت میں نکالا) کہ تم کچھ بھی نہ جانتے تھے،اسی نے تمھارے کان، آنکھیں اور دل بنائے تا کہ تم شکر گزاری کرو''۔(الـنّـحـل:۷۸)۔ان نعمتوں کی عملی شکر گزاری یہ ہے کہ انسان ان اعضاء اور ان سے وابستہ قوتوں کو اس طرح استعمال کرے جس سے اللہ راضی ہو جائے۔اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ ان قوتوں کو بروئے کار لائے بغیر نہ ہی کوئی عقیدہ قائم کرے اور نہ ہی کوئی عمل اختیار کرے۔اگر وہ ایسا کرے گا تو اسے اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہ ہونا پڑے گا کیوں کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ان نعمتوں کی ناقدری کی۔

نیز جو لوگ اللہ کی ان نعمتوں کا حق ادا نہیں کرتے ان کی مذمت قرآن نے ان الفاظ میں کی ہے:﴿وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَھَنَّمَ کَثِیْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ لَھُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَھُوْنَ بِھَا وَ لَھُمْ اَعْیُنٌ لَّایُبْصِرُوْنَ بِھَا وَ لَھُمْ اٰذَانٌ لَّا یَسْمَعُوْنَ بِھَا ط اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ ط اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْغٰفِلُوْنَ ہ﴾ ۔(ترجمہ):''ہم نے بہت سے انسان دوزخ کے لئے پیدا کئے ہیں جن کے دل ایسے ہیں، جن سے نہیں

سمجھتے اور جن کی آنکھیں ایسی ہیں، جن سے نہیں دیکھتے اور جن کے کان ایسے ہیں جن سے نہیں سنتے۔ یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ یہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔ یہی لوگ غافل ہیں''۔ (الاعراف: ۱۷۹)۔ یعنی ان کے دل تو ہیں لیکن وہ حق کے دلائل میں غور وفکر نہیں کرتے، ان کی آنکھیں تو ہیں لیکن ان سے حق کے روشن دلائل کو عبرت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے، ان کے کان تو ہیں لیکن ان سے آیات قرآنیہ اور مواعظ ونصائح کو غور سے نہیں سنتے اور ان کی اس فطرت نے انہیں جانوروں سے بھی بدتر بنا دیا ہے۔ ایک مقام پر عقل کے عدم استعمال، کو اس طرح تنقید وملامت کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ فرمایا: ﴿وَ اِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَآ اَنزَلَ اللّٰهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ط اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُونَ ٥ وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الَّذِي يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ط صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ﴾۔ (ترجمہ): ''اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ جو کتاب اللہ نے نازل فرمائی ہے اس کی پیروی کرو تو کہتے ہیں (نہیں) بلکہ ہم تو اس چیز کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ بھلا اگرچہ ان کے باپ دادا نہ کچھ سمجھتے ہوں اور نہ سیدھے راستے پر ہوں (تب بھی ان ہی کی تقلید کیے جائیں گے)۔ جو لوگ کافر ہیں ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کسی ایسی چیز کو آواز دے جو پکار اور آواز کے سوا کچھ نہ سن سکے۔ (یہ) بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں کہ کچھ نہیں سمجھتے''۔ (البقرہ: ۱۷۰-۱۷۱)۔

جہنم میں جانے کی ایک بڑی وجہ عقل کا صحیح استعمال نہ کرنا ہی ہوگا جیسا کہ ایک

آیت میں ہے کہ یوم آخرت میں جہنمی اپنی اس کوتاہی پر اظہار افسوس بھی کریں گے۔

﴿كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ۝ قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ ۙ فَكَذَّبْنَا وَ قُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۚ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ۝ وَ قَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ﴾۔(ترجمہ):

''اور جب بھی اس (جہنم) میں ان کی کوئی جماعت ڈالی جائے گی تو ان سے اس کے داروغہ پوچھیں گے کہ کیا تمھارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا؟ وہ جواب دیں گے کہ ہاں (کیوں نہیں) بے شک ہمارے پاس ڈرانے والا آیا تھا لیکن ہم نے اسے جھٹلایا اور ہم نے کہا کہ اللہ نے کچھ بھی نازل نہیں فرمایا، تم تو بہت بڑی گمراہی میں ہو اور کہیں گے کہ اگر ہم سنتے ہوتے یا سمجھتے ہوتے تو دوزخیوں میں شامل نہ ہوتے''۔(الملک: ۸-۱۰)۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ دنیا میں حاسہ سماعت اور عقل سے محروم تھے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ان نعمتوں کا صحیح استعمال نہیں کیا جو ان کے لئے خسران کا موجب بنا۔ دوسری طرف عقل کے صحیح استعمال کو قرآن حکیم میں کئی جگہ سراہا گیا ہے۔ یہاں یہ بات واضح کردینا بھی ضروری ہے کہ انسان عقل کا استعمال اگر ہوائے نفس اور دوسرے شیطانی عوامل سے بچتے ہوئے کرے تو یقیناً اس کی رہنمائی حق اور دین فطرت کی طرف ہوگی لیکن اگر اس نے عقل کے استعمال میں نفس اور خواہشات کو شامل کرلیا تو یہ حق سے دوری کا سبب بھی بن سکتی ہے۔

قرآن کریم میں قوت عقلیہ و فکریہ کو بروئے کار لانے کی تاکید کے تناظر

میں کئی طرح کے عمل (process) کا ذکر ہے جیسے درایت ,acquaintance)
(cognizance, reasoning، فہم (understanding)، ادراک
(consciousness, discernment, realization)، تفکر
(reflection, thinking, meditation)، تدبر (deliberation)،
تذکر (refreshing the memory)، اور تفقہ ,discrimination)
(comprehension لیکن قرآن نے سب سے زیادہ لفظ ''تفکر'' کا ہی استعمال کیا ہے یعنی غور وفکر کرنا۔ یہ بات بھی قابل وضاحت ہے کہ قرآن نے کئی جگہ غور وفکر کو تجربی مشاہدہ (empirical observation) سے جوڑ کر بیان کیا ہے جیسے سورہ یونس: ۱۰۱، الاعراف: ۱۸۵ اور الطارق: ۵ وغیرہ آیات میں۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ قرآن حکیم نے غور وفکر کے مختلف مناہج بتائے ہیں جن سے انسان کو نہ صرف یہ سمجھ میں آ سکتا ہے کہ اسے اپنی قوت عقلیہ وفکریہ کا استعمال کہاں کہاں کرنا چاہیے بلکہ ان سے علوم معارف کی بہت سی نئی راہیں کھلتی ہیں اور نئے شعبوں کی طرف رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔ اس مضمون کا خاص مقصد اسی نکتے کی وضاحت ہے۔ قرآن حکیم کے ذریعے بتائے گئے مناہج کو درج ذیل عناوین کے تحت بیان کیا جا سکتا ہے:

(ا) تفکر فی القرآن (Pondering in the Quran): قرآن کریم کی کئی آیات میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی کتاب کے اندر غور وفکر کی دعوت دی ہے۔ جیسے ارشاد ہے: ﴿کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْکَ مُبٰرَکٌ لِّیَدَّبَّرُوْٓا اٰیٰتِهٖ وَ لِیَتَذَکَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾۔ (ترجمہ): ''یہ ایک بابرکت کتاب ہے جس کو ہم نے آپ پر اس واسطے نازل

کیا ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور تاکہ اہل فہم اس سے نصیحت حاصل کریں''۔ (ص: ۲۹)۔ایک جگہ قرآن حکیم میں غور وفکر نہ کرنے والوں کی یوں مذمت فرمائی ہے: ﴿اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا﴾۔ (ترجمہ): ''کیا یہ لوگ قرآن میں غور وفکر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر قفل لگ رہے ہیں''۔(محمد: ۲۴)۔اس مضمون کی اور بھی آیات ہیں مثلاً البقرہ: ۲۱۹، النساء: ۸۲ وغیرہ۔ ان آیات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ قرآن حکیم کے نزول کا مقصد ہی یہی ہے کہ اس کی آیات میں غور وفکر کیا جائے اور ان سے نصیحت ورہنمائی حاصل کی جائے۔ان آیات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ قرآن حکیم سے صحیح استفادہ عقلمند لوگ ہی کر سکتے ہیں۔سورۃ النساء کی آیت ۸۲ خصوصی طور پر یہ واضح کرتی ہے کہ جو لوگ قرآن حکیم میں غور وفکر نہیں کرتے وہ اکثر شکوک وشبہات کا شکار رہتے ہیں۔اس کے برعکس قرآن حکیم میں غور وفکر کرنے والوں پر حق بتدریج واضح ہوتا جاتا ہے اور وہ ایمان ویقین کے منازل طے کرتے رہتے ہیں اور بالآخر ہدایت اور کامیابی کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوتے ہیں۔قرآن حکیم میں غور وفکر کرنے کے لئے جن علوم کی ضرورت پڑتی ہے ان میں عربی ادب، علم لغت، علم التجوید اور علم تفسیر کا خاص مقام ہے۔ ان کے علاوہ علم حدیث اور علم فقہ کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔

(۲) تفکر فی الآفاق (Pondering over the Universe): غور وفکر سے متعلق دوسری قسم کی آیات وہ ہیں جن میں اللہ رب العزت نے کائنات، اس کے محکم نظام اور اس میں بکھری ہوئی اپنی مخلوقات میں غور کرنے کی دعوت دی ہے۔ جیسے ارشاد

ہے: ﴿اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ﴾ ۔ (ترجمہ): ''کیا ان لوگوں نے غور نہیں کیا آسمان وزمین کے عالم میں اور دوسری چیزوں میں جو اللہ نے پیدا کی ہیں'' ۔(الاعراف: ۱۸۵)۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ۔(ترجمہ): ''آپ کہہ دیجئے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے انھیں آنکھیں کھول کر دیکھو'' ۔(یونس: ۱۰۱)۔ ایک جگہ یوں فرمایا: ﴿اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَ بَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّ تَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ﴾ ۔ (ترجمہ): ''بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں، اور رات اور دن کے بدلتے رہنے میں، اور ان کشتیوں میں جو انسان کی نفع کی چیزیں لئے ہوئے سمندر میں چلتی پھرتی ہیں اور بارش کے اس پانی میں جسے اللہ تعالیٰ آسمان سے برساتا ہے پھر اس کے ذریعے مردہ زمین کو زندہ کردیتا ہے اور اس میں ہر قسم کی جاندار مخلوق پھیلاتا ہے اور ہواؤں کی گردش میں اور بادل میں جو تابع فرمان ہوکر آسمان اور زمین کے درمیان معلق رہتے ہیں، نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل رکھتے ہیں'' ۔(البقرہ: ۱۶۴)۔ اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیات ہیں مثلاً: الانعام: ۹۵ - ۹۹، النحل: ۱۰ - ۱۷، ۶۵ - ۶۹، ۷۸ - ۸۱، العنکبوت: ۲۰، یٰسین: ۳۳ - ۴۴، الغاشیہ: ۱۷ - ۲۰، فاطر: ۲۷ - ۲۸، الروم: ۱۹ - ۲۵، الجاثیۃ: ۵ وغیرہ۔ ایک جگہ اللہ پاک نے ایسے بندوں کی تعریف کی ہے جو زمین وآسمان کی تخلیق اور

کائنات کے دیگر اسرار ورموز پر غور کرتے ہیں اور انہیں کائنات کی حقیقت کا ادراک اور اس کے خالق کی معرفت حاصل ہوجاتی ہے۔ارشاد ربانی ہے:﴿اِنَّ فِی خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ ہ الَّذِیۡنَ یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّ قُعُوۡدًا وَّ عَلٰی جُنُوۡبِھِمۡ وَ یَتَفَکَّرُوۡنَ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ رَبَّنَا مَا خَلَقۡتَ ھٰذَا بَاطِلًا سُبۡحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ہ﴾۔(ترجمہ):''آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے بدلنے میں یقیناً عقلمندوں کے لئے نشانیاں ہیں۔(وہ ایسے لوگ ہیں) جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر لیٹے ہوئے کرتے ہیں اور آسمان وزمین کی پیدائش میں غور وفکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! آپ نے ان سب کی تخلیق بے فائدہ نہیں کی، آپ پاک ہیں (اس سے کہ عبث کام کریں)،ہمیں آگ کے عذاب سے بچا لیجئے''۔(آل عمران:۱۹۰-۱۹۱)۔

ان آیات میں اللہ رب العزت نے انسان کو کائنات، اس کے مختلف components اور کائنات میں رونما ہونے والے مختلف حادثات وتغیرات کی طرف متوجہ کیا ہے۔ جو لوگ ان میں ایمانداری کے ساتھ غور وفکر کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت، اس کی حکمت اور صناعی کے قائل ہوئے بغیر نہیں رہتے۔انہیں کائنات میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے دلائل مل جاتے ہیں۔وہ اس بات کے بھی قائل ہوجاتے ہیں کہ پوری کائنات کو اللہ تعالیٰ نے انسان کے فائدے کی خاطر ہی پیدا فرمایا ہے اور اس کے تمام components دراصل انسان کی خدمت میں ہی مصروف ہیں۔اس

طرح انہیں اللہ کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کی ہدایت نصیب ہوتی ہے۔اب ذرا آپ بھی ان آیات پر غور کیجیے، کیا ان میں علم کائنات (Cosmology)، علم ہیئت (Astronomy)، علم طبیعیات (Physics) خصوصاً فلکی طبیعیات (Astrophysics)، علم جغرافیہ (Geography)، بحری جغرافیہ (Oceanography) اور علم الارض (Earth Science) جیسے علوم کو حاصل کرنے کی ترغیب نہیں ہے؟

(۳) تفکر فی الخلق (Pondering over the Creatures): غور و فکر کا تیسرا منہج اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں غور و فکر ہے۔ قرآن کریم میں بہت سی آیات ایسی ہیں جن میں اللہ رب العزت نے اپنی مخلوقات خصوصاً عالم حیوانات اور نباتات کی طرف انسان کو متوجہ کیا ہے کہ ان کی ساخت (structure)، رہنے سہنے کا انداز (habitation)، اور ان سے حاصل ہونے والے فوائد پر غور و فکر کریں اور اللہ کی قدرت اور حکمت کو پہچانیں۔ جیسے فرمایا: ﴿وَاِنَّ لَكُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ط نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِهٖ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ٥ وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ط اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ٥ وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّ مِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ٥ ثُمَّ كُلِیْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِیْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ط يَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ط اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ٥﴾۔ (ترجمہ): ''اور بے شک

تمھارے لئے چوپایوں میں (مقام) عبرت (وغور) ہے، ہم تمھیں پلاتے ہیں دودھ خالص اس سے جو گوبر اور خون کے درمیان ان کے پیٹوں میں ہے، پینے والوں کے لئے خوشگوار۔ اور کھجور اور انگور کے پھلوں سے (بھی پینے کی چیز یعنی رس حاصل کرتے ہو)، کہ تم اس سے شراب بناتے ہو اور اچھا رزق (حاصل کرتے ہو)۔ بے شک اس میں نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو عقل رکھتے ہیں۔ اور تمھارے رب نے شہد کی مکھی کو الہام کیا کہ تو پہاڑوں میں گھر بنالے اور درختوں میں اور اس جگہ جہاں لوگ چھتریاں بناتے ہیں۔ پھر کھا ہر قسم کے پھلوں سے، پھر اپنے رب کے نرم ہموار راستوں پر چل، ان کے پیٹوں سے پینے کی ایک چیز نکلتی ہے (شہد)، اس کے رنگ مختلف ہوتے ہیں، اس میں لوگوں کے لئے شفا ہے، بے شک اس میں ان لوگوں کے لئے نشانی ہے جو غور وفکر کرتے ہیں''۔ (النحل: ۶۶-۶۹)۔ ایک جگہ ارشاد ہے: ﴿اَلَمْ یَرَوْا اِلَی الطَّیْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِیْ جَوِّ السَّمَآءِ ط مَا یُمْسِکُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ط اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ﴾ ۔ (ترجمہ): ''کیا ان لوگوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا جو آسمان کی فضا میں حکم کے پابند (اڑتے رہتے) ہیں، انہیں کوئی نہیں تھامتا سوائے اللہ تعالی کے، بے شک اس میں ایمان رکھنے والے لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں''۔ (النحل: ۷۹)۔ اور ایک جگہ یہ فرمایا: ﴿اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ﴾ ۔ (ترجمہ): ''کیا وہ لوگ نہیں دیکھتے اونٹ کی طرف کہ وہ کیسے (عجیب طور پر) پیدا کیا گیا ہے؟''۔ (الغاشیۃ: ۱۷)۔ اسی طرح عالم نباتات کی طرف متوجہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّکُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِیْهِ تُسِیْمُوْنَ ہ یُنْۢبِتُ لَکُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّیْتُوْنَ وَالنَّخِیْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ کُلِّ الثَّمَرٰتِ ط اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ

لَاٰیَۃً لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ﴾۔(ترجمہ):''وہی تو ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا، اس سے تمھارے لئے پینے کو ہے اور اس سے درخت بھی (سیراب ہوتے) ہیں جن میں تم (اپنے مویشی) چراتے ہو، اور وہ اسی سے تمھارے لئے اگاتا ہے کھیتی، اور زیتون، اور کھجور، اور انگور اور ہر قسم کے پھل، بے شک اس میں غور وفکر کرنے والوں کے لئے (اللہ کی قدرت کی بڑی) نشانیاں ہیں''۔(النحل:۱۰-۱۱)۔دوسری جگہ ارشاد ہے:﴿وَھُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ کُلِّ شَیْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاکِبًا وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِیَۃٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّیْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَیْرَ مُتَشَابِهٍ ط اُنْظُرُوْٓا اِلٰی ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَیَنْعِهٖ ط اِنَّ فِیْ ذٰلِکُمْ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ﴾۔(ترجمہ): ''اور وہی تو ہے جس نے آسمان سے پانی اتارا، پھر ہم نے اس سے نکالی اگنے والی ہر چیز، پھر ہم نے اس سے سبزہ نکالا (مراد سبز کونپلیں ہیں) جس سے ایک پر ایک چڑھے ہوئے دانے نکلتے ہیں، اور کھجوروں کے گابھے سے جھکے ہوئے خوشے اور انگور اور زیتون اور انار کے باغات ایک دوسرے سے ملتے جلتے اور نہیں بھی ملتے، دیکھو اس کے پھل کی طرف جب وہ پھلتا ہے اور اس کا پکنا (دیکھو)، بے شک اس میں ان لوگوں کے لئے (قدرت کی بہت سی) نشانیاں ہیں جو ایمان رکھتے ہیں''۔(الانعام:۹۹)۔

انسان اگر عالم حیوانات اور عالم نباتات کا مطالعہ کرے تو اس کا اس نتیجہ پر پہنچنا دشوار نہیں کہ یہ سب فقط نامیاتی ارتقاء (organic evolution) کا نتیجہ نہیں بلکہ ان کی تخلیق کے پیچھے ایک حکمت آمیز منصوبہ بندی (intelligent

(planning)،اور طے شدہ مقاصد ہیں۔ یہ سب چیزیں اپنے مشاہدہ کرنے والوں کو اپنے خالق کو پہچاننے اوراس کی قدرت وحکمت کو سمجھنے کی دعوت دے رہی ہیں۔انسان اس پر بھی غور کرے کہ جس رب نے ان تمام مخلوقات کوایک مقصد کے تحت پیدا فرمایا، کیا اس نے اسے یوں ہی بے کار پیدا کیا ہے۔ان آیتوں سے علم حیوانات(Zoology)، علم حیوانات پروری (Animal Husbandry)، خصوصاً علم الطیور (Ornithology)، نحل پروری(Bee Keeping)، علم نباتات (Botany) اور زرعی تعلیم(Agriculture Education) کے حصول کی طرف بھی رہنمائی ہوتی ہے۔

(۴) تفکر فی الانفس **(Pondering over Self)**: غور وفکر کے اس چوتھے منہج کی طرف رہنمائی ان آیات سے ہوتی ہے جن میں اللہ رب العزت نے انسان کو اپنی ذات میں غور وفکر کی دعوت دی ہے۔ ان میں بعض آیات ایسی بھی ہیں جن میں انفس وآفاق دونوں کا ہی تذکرہ ہے جیسے یہ آیت کریمہ: ﴿اَوَلَمْ یَتَفَکَّرُوْا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ مَا خَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَ مَا بَیْنَھُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ اَجَلٍ مُّسَمًّی﴾۔ (ترجمہ): ''کیاانھوں نے کبھی اپنی ذات میں غور وفکر نہیں کیا؟ اللہ تعالیٰ نے نہیں پیدا کیا آسمانوں کواور زمین کواوران ساری چیزوں کو جوان کے درمیان ہیں مگرحق (یعنی درست تدبیر وحکمت) کے ساتھ اورایک وقت مقرر تک کے لئے ہی''۔(الروم:۸)۔ایک جگہ ارشادباری ہے: ﴿سَنُرِیْھِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَ فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَھُمْ اَنَّہُ الْحَقُّ﴾۔(ترجمہ): ''عنقریب ہم ان کواپنی نشانیاں آفاق عالم میں بھی دکھائیں گے

اور خود ان کی اپنی ذات میں بھی یہاں تک کہ ان پر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ یہ (قرآن) واقعی حق ہے"۔ (حمٓ السجدة:۵۳)۔

ایک جگہ انسان کو اپنی تخلیق پر غور کرنے کو یوں متوجہ فرمایا: ﴿فَلْيَنظُرِ الْإِنسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝ خُلِقَ مِن مَّاءٍ دَافِقٍ ۝ يَخْرُجُ مِن بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ ۝﴾۔ (ترجمہ): "پس انسان کو چاہیے کہ (خود ہی) دیکھے (یعنی غور کرے) کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے؟ اسے پیدا کیا گیا ہے اچھلتے ہوئے پانی سے جو پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے"۔ (الطارق:۵-۷)۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اللہ رب العزت نے قرآن کریم کی بعض آیات میں انسان کی تخلیق و پیدائش اور اس کی زندگی کے مراحل کو واضح طور پر بیان بھی کر دیا ہے تا کہ انسان ان پر غور وفکر کرے اور اپنے خالق کو پہچانے اور پھر اس کے احکام پر ایمان لے آئے۔ مثلاً سورۃ الحج کی ان آیات کو دیکھیں:۔

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن تُرَابٍ ثُمَّ مِن نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِن مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ط وَنُقِرُّ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ وَمِنكُم مَّن يُتَوَفَّىٰ وَمِنكُم مَّن يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِن بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا ط وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنبَتَتْ مِن كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ۝ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّهُ يُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَأَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾۔ (ترجمہ): "اے لوگو! اگر تم (قیامت کے دن) جی اٹھنے سے شک میں ہو تو (سوچو) کہ ہم نے تمہیں (ابتداء) مٹی سے پیدا کیا، پھر اس

سے نطفہ بنا کر، پھر اس سے جمے ہوئے خون کا لوتھڑا بنا کر، پھر اس سے گوشت کی بوٹی بنا کر صورت بنی ہوئی اور بغیر صورت بنی (ادھوری) تا کہ ہم تمہارے لئے (اپنی قدرت) ظاہر کردیں اور ہم جس کو چاہتے ہیں (ماؤں کے) رحموں میں ایک مدت تک ٹھہرائے رکھتے ہیں، پھر ہم تمہیں نکالتے ہیں بچے (کی صورت میں) تا کہ پھر تم اپنی جوانی کو پہنچو، اورتم میں کوئی (عمر طبعی سے قبل) فوت ہو جاتا ہے اور تم میں سے کوئی لوٹایا جاتا ہے نکمی عمر تک تا کہ وہ (بہت کچھ) جاننے کے بعد بھی کچھ نہ جانے (یعنی ناسمجھ ہو جائے)، اور تو زمین کو دیکھتا ہے کہ خشک پڑی ہوئی ہے، پھر جب ہم نے اس پر پانی اتارا تو وہ تر و تازہ ہوگئی اور ابھر آئی اور وہ اگالائی ہر (قسم کے نباتات کا) رونق دار جوڑا۔ یہ اس لئے کہ اللہ ہی برحق ہے اور یہ کہ وہ مردوں کو زندہ کرتا ہے اور یہ کہ وہ ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے''۔(الحج:۵-۶)۔

ایک جگہ قرآن کریم نے دنیا کے مختلف خطے کے انسانوں کے درمیان رنگ و نسل اور زبان کے فرق کی طرف غور وفکر کرنے کے لئے یوں متوجہ کیا ہے: ﴿وَمِنْ اٰیٰتِہٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِکُمْ وَ اَلْوَانِکُمْ ط اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ﴾۔(ترجمہ): ''اس کی نشانیوں میں سے ہے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور تمھاری زبانوں اور تمھارے رنگوں کا مختلف ہونا، بے شک اس میں دانشوروں کے لئے نشانیاں ہیں''۔(الروم:۲۲)۔اس کے علاوہ اور بھی آیات ہیں جیسے القیٰمة: ۳۶ – ۳۹، الانفطار: ۶ – ۸، الزمر: ۵ – ۶، المؤمنون: ۱۲ – ۱۴، السجدہ: ۷ – ۹، عبس: ۱۷ – ۲۰، المؤمن: ۶۷، الانسان:

۱ - ۲ وغیرہ جن میں باری تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کے مختلف مراحل کا تذکرہ کیا ہے تاکہ انسان ان میں غور وخوض کرے اور اللہ کی قدرت، اس کی خالقیت، صنعت اور حکمت کو پہچان سکے۔ سائنس دراصل اللہ تعالیٰ کی ان نشانیوں کی پرتوں کو ہی کھولتی جارہی ہے جو اس نے انسان اور آفاق کے اندر پنہاں کی ہوئی ہیں اور جیسا کہ اللہ رب العزت نے فرمایا ہے کہ عنقریب وہ دن آئے گا کہ لوگ قرآن کی حقانیت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوں گے۔ ان آیات میں اگر غور کیا جائے تو اس نتیجہ پر پہنچنا دشوار نہیں کہ ان میں علم کائنات (Cosmology)، علم ہیئت (Astronomy)، علم طبیعیات (Physics) بالخصوص فلکی طبیعات (Astrophysics)، علم الجنین (Embryology)، علم تشریح الاعضا (Anatomy)، علم افعال الاعضا (Physiology)، علم حیاتیاتی کیمیا (Biochemistry)، علم نفسیات (Psychology)، علم تزکیہ نفس، علم بشریات (Anthropology) اور مختلف زبانوں (Languages) کے علم کے حصول کے لئے واضح اشارے موجود ہیں۔

(۵) تفکر فی الاحکام (Thinking over the Commandments):

غور وفکر کا پانچواں منہج وہ آیات بتاتی ہیں جن میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انسان کو اپنے تشریعی احکام کی حکمتوں میں غور وفکر کی طرف متوجہ کیا ہے تاکہ وہ ان آیات واحکام کو اچھی طرح سمجھ کر صحیح طور پر اپنی عملی زندگی پر منطبق کرے۔ مثال کے طور پر اس آیت کو دیکھئے:

﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ ط قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ اِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ط وَ يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ط قُلِ الْعَفْوَ ط

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿ـ (ترجمہ): ''وہ پوچھتے ہیں آپ سے شراب اور جوئے کی بابت، آپ فرمایئے ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور کچھ فائدے بھی ہیں لوگوں کے لئے اور ان کا گناہ ان کے فائدے سے بہت زیادہ ہے اور پوچھتے ہیں آپ سے کیا خرچ کریں؟ آپ فرمایئے جو ضرورت سے زیادہ ہو۔ اسی طرح صاف صاف بیان کرتا ہے اللہ تمھارے لئے اپنے احکام تاکہ تم غور وفکر کرو''۔ (البقرہ:۲۱۹)۔ احکام قصاص کے بیان کے بعد فرمایا: ﴿وَ لَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿ـ (ترجمہ): ''اے فہیم لوگو! (اس قانون) قصاص میں تمھارے لئے زندگی ہے، امید ہے کہ تم لوگ (اس قانون کی خلاف ورزی کرنے سے) پرہیز کروگے''۔ (البقرہ:۱۷۹)۔ اسی طرح روزہ میں رخصت کے پہلو کو بیان کرکے فرمایا: ﴿وَ اَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿ـ (ترجمہ): ''اور روزہ رکھنا ہی تمھارے حق میں بہتر ہے اگر تم سمجھ رکھتے ہو''۔ (البقرہ:۱۸۴)۔ نماز جمعہ کے سلسلے میں فرمایا: ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَيْعَ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿ـ (ترجمہ): ''اے ایمان لانے والو! جب اذان دی جائے نماز کے لئے جمعہ کے دن تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ پڑو اور خرید وفروخت چھوڑ دو، یہ تمھارے حق میں زیادہ بہتر ہے، اگر تم جانتے ہو''۔ (الجمعۃ:۹)۔ اس قبیل کی اور بھی آیات ہیں مثلاً البقرۃ: ۱۸۵، ۲۳۰، ۲۴۰ – ۲۴۱، ۲۸۲، النسآء: ۲۳ – ۲۶، المآئدۃ: ۸۹، ۱۰۰، الانعام: ۱۱۹، العنکبوت: ۴۵، الحشر: ۷ وغیرہ لیکن سب کو یہاں نقل کرنا نہ ہی ممکن ہے نہ ضروری، اگر کوئی صاحب علم وتحقیق دیکھنا چاہیں تو رجوع

کر سکتے ہیں۔ یہ آیات علم فقہ (Islamic Jurisprudence) اور علم تصوف (The Islamic Science of Spirituality) کے حصول کی ترغیب دیتی ہیں جن میں علی الترتیب شرعی احکام کے دلائل اوران کی روح سے بحثیں کی جاتی ہیں لیکن وہ علم تصوف مطلوب ومقصود ہے جس کی بنیاد قرآن وسنت ہو نہ کہ بدعات وخرافات۔

(۶) تفکر فی الاقوام (Thinking over the Past Nations): غوروفکر سے متعلق چھٹے منہج کا اشارہ ان آیات میں ہے جن میں تاریخی مراحل میں قوموں کے اندر جاری اللہ تعالی کی سنت پر غور کرنے کی دعوت ملتی ہے۔ مثال کے طور پر اس آیت کو ملاحظہ فرمائیں: ﴿اَلَمْ یَرَوْا کَمْ اَهْلَکْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّکَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ مَالَمْ نُمَکِّنْ لَّکُمْ وَ اَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَیْهِمْ مِّدْرَارًا وَّ جَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَکْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَ اَنْشَاْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِیْنَ ٥﴾۔ (ترجمہ): ''کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ ہم ان سے پہلے کتنی ایسی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں جن کو ہم نے زمین میں ایسا اقتدار دیا تھا جیسا کہ تمہیں بھی نہیں دیا اور ہم نے ان پر آسمان سے خوب بارشیں برسائیں اور ہم نے نہریں بنادیں جو ان کے (مکانوں کے) نیچے بہہ رہی تھیں۔ پھر ہم نے ان کو ان کے گناہوں کی پاداش میں ہلاک کر ڈالا اور ان کے بعد دوسری قوموں کو پیدا کر دیا''۔ (الانعام:۶)۔ ایک جگہ اللہ رب العزت نے یہ فرمایا: ﴿وَلَقَدْ اَهْلَکْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ وَ مَا کَانُوْا لِیُؤْمِنُوْا ط کَذٰلِکَ نَجْزِی الْقَوْمَ الْمُجْرِمِیْنَ ٥ ثُمَّ جَعَلْنٰکُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ کَیْفَ تَعْمَلُوْنَ ٥﴾ ۔

(ترجمہ): ''اور ہم نے تم سے پہلے بہت سی قوموں کو ہلاک کر دیا جب کہ انہوں نے ظلم کی روش اختیار کی حالانکہ ان کے پاس ان کے پیغمبر (بھی) دلائل لے کر آئے، مگر وہ ایسے نہ تھے کہ ایمان لے آتے؟ ہم مجرم لوگوں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔ پھر ان کے بعد ہم نے زمین میں تم کو جانشیں کیا تا کہ ہم دیکھ لیں کہ تم کس طرح کام کرتے ہو''۔ (یونس: ۱۳-۱۴)۔ ایک جگہ یوں ارشاد ہے: ﴿لئِنْ لَّمْ ینتهِ الْمُنفِقُوْنَ وَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْمُرْجِفُوْنَ فِی الْمَدِیْنَةِ لَنُغْرِیَنَّکَ بِهِمْ ثُمَّ لَایُجَاوِرُوْنَکَ فِیْهَآ اِلَّا قَلِیْلًا ہ مَلْعُوْنِیْنَ اَیْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَ قُتِّلُوْا تَقْتِیْلًا ہ سُنَّةَ اللّٰهِ فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا ہ﴾۔ (ترجمہ): ''یہ منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں خرابی ہے اور وہ لوگ جو مدینہ میں بری افواہیں اڑایا کرتے ہیں اگر باز نہ آئے تو، ضرور ہم آپ کو ان پر مسلط کر دیں گے پھر یہ لوگ آپ کے پڑوس میں نہ رہ سکیں گے مگر بہت ہی تھوڑے دنوں، وہ بھی (ہر طرف سے) پھٹکارے ہوئے، جہاں ملیں گے پکڑے جائیں گے اور بری طرح قتل کر دئے جائیں گے۔ یہ اللہ کی سنت ہے جو ایسے لوگوں کے معاملہ میں پہلے سے چلی آ رہی ہے اور آپ اللہ کی سنت میں ہرگز کوئی تبدیلی نہ پائیں گے''۔ (الاحزاب: ۶۰-۶۲)۔ اور ایک جگہ ایمان والوں کے لئے یہ ضابطہ بتایا ہے: ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَ لَیُمَکِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَهُمْ وَ لَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ط یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا ط وَمَنْ کَفَرَ بَعْدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ہ﴾۔ (ترجمہ): ''اللہ وعدہ فرما چکا ہے تم میں سے ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں اور نیک

اعمال کئے ہیں کہ انہیں ضرور زمین میں خلافت (اقتدار) عطا کرے گا جیسا کہ ان لوگوں کو خلافت عطا کیا تھا جو ان سے پہلے تھے اور یقیناً ان کے لئے ان کے اس دین کو مضبوطی کے ساتھ محکم کر کے جما دے گا جسے ان کے لئے وہ پسند فرما چکا ہے اور ان کے اس خوف (کی حالت) کو امن وامان سے بدل دے گا، وہ صرف میری عبادت کریں گے (اور) میرے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک نہ ٹھہرائیں گے اور جو لوگ اس کے بعد بھی کفر (ناشکری) کریں تو وہ یقیناً فاسق ہیں"۔ (النور:۵۵)۔ اس طرح کی اور بھی آیات ہیں مثلاً آل عمران: ۱۳۷ - ۱۳۸، الانعام: ۱۱، الاعراف: ۹۶، ۱۳۶ - ۱۳۷، ھود: ۱۸ - ۲۰، یوسف: ۱۰۹، الحج: ۴۰ - ۴۱، النمل: ۶۹، القصص: ۴ - ۶، الروم: ۹، غافر: ۲۱ وغیرہ۔

ان آیات سے تاریخ (History) کے مطالعے کی طرف رہنمائی حاصل ہوتی ہے جس کا مقصد گزشتہ قوموں کے اندر جاری اللہ تعالیٰ کی سنت کو سمجھنا ہو یعنی وہ کیا عوامل ہیں جن سے کسی قوم کو عروج اور ترقی حاصل ہوتی رہی ہے اور جن سے کسی قوم کا زوال ہوتا آیا ہے۔ انسان تاریخ کے مطالعہ سے اگر ان عوامل کو سمجھ لے تو بہت سی غلطیوں سے بچ سکتا ہے اور ترقی وعروج کے بلند وبالا مقام کو پا سکتا ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی سنت بدلتی نہیں جیسا کہ مذکورہ بالا آیات میں قرآن کا اعلان ہے۔ یہاں یہ واضح کر دینا بھی مناسب لگتا ہے کہ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی سنت کائنات میں رونما ہونے والے حادثات و تغیرات میں بھی جاری ہے جسے سائنسداں Law of Nature یا Natural Law کہتے ہیں۔ سائنس درحقیقت اللہ تعالیٰ کی ان سنتوں یعنی Natural

Laws کو ہی سمجھنے اور ان کی وضاحت کرنے کا عمل (process) ہے۔

مندرجہ بالا تفصیلات سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ قرآن نے انسان کو غور وفکر کی دعوت کس اہتمام سے دی ہے۔ یہ اہتمام انسانی زندگی میں غور وفکر کی اہمیت کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ غور وفکر اور تدبر و تفکر ہی ہے جس سے علمی تحقیق کی راہیں کھلتی ہیں۔ انسان قرآن کے بتائے ہوئے نہج کے مطابق جس رخ پر بھی اپنے تدبر و تفکر کو مرکوز کرے گا، خود کو علم کے ایک اتھاہ سمندر میں غوطہ زن پائے گا۔ اس لئے قرآن کریم کی غور وفکر پر یہ تاکید دراصل علم و تحقیق کی دعوت ہے جو تمام انسانوں کو دی گئی ہے اور ایک مسلمان چونکہ اس کا خصوصی مخاطب ہے اس لئے اس پر یہ لازم ہے کہ وہ ان میدانوں میں اپنی صلاحیتوں کو صرف کرے جن کی نشاندہی مختلف ذیلی عناوین کے تحت سطور بالا میں کی گئی ہے اور دیگر نامناسب اور غیر مفید میدانوں میں اپنی صلاحیتوں کو ضائع ہونے سے بچائے۔

مذکورہ مباحث سے یہاں یہ بات بھی کافی حد تک عیاں ہو چکی ہے کہ جس طرح علم تفسیر، علم حدیث اور علم فقہ اور ان کے معاون علوم مثلاً عربی زبان و ادب، علم لغت، علم التجوید وغیرہ کی قرآنی بنیادیں موجود ہیں ٹھیک اسی طرح علم کائنات (Cosmology)، علم ہیئت (Astronomy)، علم طبیعیات (Physics) بالخصوص فلکی طبیعات (Astrophysics)، علم جغرافیہ (Geography)، بحری جغرافیہ (Oceanography) اور علم الارض (Earth Science)، علم حیوانات (Zoology)، علم حیوانات پروری (Animal Husbandry)،

خصوصاً علم الطیور (Ornithology)، نحل پروری (Bee Keeping)، علم نباتات (Botany) اور زرعی تعلیم (Agriculture Education)، علم الجنین (Embryology)، علم تشریح الاعضا (Anatomy)، علم افعال الاعضا (Physiology)، علم حیاتیاتی کیمیا (Biochemistry)، علم نفسیات (Psychology)، علم تزکیہ نفس وتصوف، علم بشریات (Anthropology)، تاریخ (History) اور لسانیات (Linguistics) وغیرہ علوم کی بھی قرآنی بنیادیں موجود ہیں۔ اسی طرح ریاضی (Mathematics) کے بغیر تجارت، وراثت کی تقسیم اور آپس کے دیگر معاملات طے نہیں کئے جاسکتے۔ پھر مذکورہ علوم میں سے کئی سے پیدا ہونے والی اطلاقی سائنس (Applied Sciences) اور علم صنعت وحرفت (Technology) جو انسانیت کے لئے نفع بخش ہیں، کے حصول کا جواز بھی خود بخود ثابت ہو جائے گا۔ نوحؑ کو کشتی بنانے اور داؤدؑ کو زرہ بنانے کا علم عطا کیا جانا قرآن میں علی الترتیب سورۃ ہود: ۳۷ اور سورۃ الانبیاء: ۸۰ میں مذکور ہے جو نفع بخش صنعت وحرفت کے علم کے حصول کے جواز پر دال ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ قرآن حکیم نے علم کے سلسلے میں دین اور دنیا کی کوئی تفریق نہیں کی، صرف اس کے نفع کے پہلو کو ملحوظ رکھا ہے۔ لہٰذا جو شخص مذکورہ علوم کو کائنات میں بکھری ہوئی اللہ کی نشانیوں کو دریافت کرنے، اس کی قدرت اور کاریگری کو سمجھنے اور اس کی مخلوقات خصوصاً عالم انسانیت کی نفع رسانی کی غرض سے جس کا حتمی مقصد حصول رضائے الٰہی ہو، حاصل کرنے کی سعی کرے گا تو اس کا یہ عمل عینِ دین ہوگا اور وہ ان تمام فضیلتوں کا ان شاء اللہ مستحق گردانا جائے گا جو علم کے سلسلے میں قرآن وحدیث میں وارد

ہوئے ہیں۔ ماضی میں ہماری درسگاہوں میں بھی علم کے سلسلے میں ایسی کوئی تفریق نہیں پائی جاتی تھی۔ مثال کے طور پر عباسی دور (۷۵۰-۱۲۵۸ء) جو کہ اسلامی تہذیب اور علوم کے ارتقاء کا سنہرا دور تصور کیا جاتا ہے کے نصاب تعلیم کو دیکھا جا سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ فقہ، تفسیر، اصول تفسیر، حدیث، اصول حدیث، تصوف، علم لغت، تاریخ کے ساتھ ساتھ مختلف سائنس اور ریاضی کے میدان میں مسلم اسکالرز نے جو کاوشیں کی ہیں اور اس کے نتیجے میں جو علمی سرمایہ وجود میں آیا، اس کا محرک دراصل وہ قرآنی آیات ہی تھیں جن میں ضروری علم کے ساتھ غور وفکر اور تدبر وتفکر کی دعوت دی گئی ہے اور جس نے مسلمانوں کو علم وترقی کے بام عروج پر پہنچایا اور یورپ کے نشاۃ ثانیہ (Renaissance) کا بھی موجب بنا جس کا اعتراف مغربی مفکرین بھی کرتے ہیں لیکن جب سے مسلمانوں کی اکثریت نے قرآن حکیم سے رہنمائی حاصل کرنا چھوڑ دیا اور مختلف علوم کے درمیان تفریق شروع کردی جس کی تاریخ دو تین صدی سے زائد کی نہیں کہ بعض کے حصول کو تو کار ثواب اور بعض کے حصول کو کار عبث قرار دینے لگے، ان کا زوال شروع ہوا اور آج یہ قوم آبادی کے لحاظ سے دوسرے مقام پر ہوتے ہوئے بھی پوری دنیا میں بے وقعت اور حاشیہ پر ہے۔ وہ قوم جو کبھی دیگر اقوام عالم کی امام تھی آج ہر جدید نفع بخش علم کے سلسلے میں دوسروں کی طرف حسرت بھری نگاہوں سے دیکھ رہی ہے۔ افسوس صد افسوس! اللہ ہم سب کو سمجھ عطا کرے اور اپنی کتاب سے رہنمائی حاصل کرنے اور اپنے نبی مکرم ﷺ کی سنتوں پر چلنے کی توفیق عنایت کرے۔ آمین!

☆☆☆☆☆

SIYADAT-E-'ILM

(Collection of Essays)

By

Dr. Md. Wasay Zafar

Associate Prof. & Ex. Head, Deptt. of Education
Patna University, Patna

Printed : Saima Publication, Dariyapur, Ahmad Market, Patna-4